و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیر سرپرستی
مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر مسئول
اسرار احمد

جلد ۱۵ | اپریل ۱۹۶۸ء | عدد ۴

فہرست

تذکرہ و تبصرہ	★ — — — — — — —	اسرار احمد	۱
افادات فراہی رح	★ غایت تخلیق	— — — — خالد مسعود	۴
تدبر قرآن	★ تفسیر سورۃ مائدہ (۱)	— مولانا امین احسن اصلاحی	۹
مقالات	★ قرآن مجید کا ادبی مقام	— پروفیسر محمد منور ایم اے	۲۶
	★ تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش (۲)	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	۳۳
تقریظ و تنقید	★ مطبوعات مجلس معارف القرآن، دیوبند		
تعارفات	★ جذبۂ تشکر وسیل خیال	مولانا برکات احمد خان	۵۱
	★ بربند فرنگ	ابصار احمد ایم اے	۵۷
	★ تعارف جامعہ ربانیہ ملتان	حافظ نثار احمد انصاری	۶۱
			۶۳

★

یکے از مطبوعات
دار الاشاعت الاسلامیہ
امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور - ۱ (فون 69522)
قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 15 | APRIL 1968 | No. 4

'تدبر قرآن' ایک مفسر قرآن کی نظر میں

''بڑی ہی فکر انگیز اور اپنے رنگ میں بالکل منفرد تفسیر''

مولانا امین احسن اصلاحی کی 'تدبر قرآن'
پر مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا تبصرہ،

تدبر قرآن — از مولانا امین احسن اصلاحی، جلد اول — از آیت بسم اللہ تا سورہ آل عمران - ۳۵ + ۸۵۰ صفحہ، تقطیع ۲۲×۲۹، قیمت ۳۰ روپے

پتہ :— دارالاشاعت اسلامیہ، امرت روڈ - کرشن نگر لاہور پاکستان -

حسن معنوی سے قبل نظر کتاب کے جمال ظاہری پر پڑتی ہے اور جم جاتی ہے - کوئی تفسیر قرآن اتنی حسین و جمیل چھپی ہوئی دیکھنا یاد نہیں پڑتی - کاغذ کتابت چھپائی جلد بندی ہر اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے -

معنوی اعتبار سے قرآنیات کے محقق جلیل اور مصنف کے استاد علامہ مولانا حمیدالدین فراہی رح گویا از سرنو دنیا میں آ کر اپنے افادات بجائے عربی کے سلیس اردو میں قلمبند فرما گئے ہیں — قرآن مجید کے پہلو اور گوشے اتنے متعدد ہیں کہ کسی مفسر کے بس میں نہیں کہ ان سب کا بلکہ بیشتر کا بھی احاطہ کر سکے - لا محالہ اسے کسی ایک نہ ایک نقطۂ نظر کا انتخاب کر لینا ہوتا ہے اور اس کے فضل و کمال کے لئے یہی بہت ہے کہ وہ اسی محدود دائرہ میں کامیاب ہو جائے - مصنف کا اصل موضوع اپنے استاد ہی کی طرح، نظم قرآن ہے - ایک عمر انہوں نے قرآن کے اسلوب و بلاغت ہی پر غور و تدبر میں گزار دی ہے اور قرآن کو جو کچھ سمجھا ہے کہنا چاہئے کہ وہ قرآن ہی سے سمجھا ہے اور بڑے بڑے لطیف و نادر نکتے اسی کلام بلاغت نظام سے نکالتے چلے گئے ہیں اور اس کے بعد انہوں نے تکیہ توریت و انجیل (عہد نامہ عتیق و جدید) پر کیا ہے - گو ایک نتیجہ اس تفرد کا یہ بھی نکلا ہے کہ بہت سی جگہ انہیں عام تفسیری مروجات کا ساتھ چھوڑ دینا پڑا ہے -

غرض بہ حیثیت مجموعی یہ ایک بڑی ہی فکر انگیز اور اپنے رنگ میں بالکل منفرد تفسیر اردو میں آگئی ہے - اہل علم و طلبۂ فن کے مطالعہ میں رہنے کے قابل اور بہتوں کے لئے ایک قابل قدر رہنما — مصنف، شبلی اور ندوہ کے اسکول کے اہل قلم ہیں - عبارت متین و محکم، شستہ و سلیس، شاندار اور باوقار مولویانہ نہیں ادیبانہ ....

مصنف زندگی بھر اور کچھ نہ کرتے صرف یہی ایک کتاب اپنی یادگار چھوڑ جاتے تو بھی خدمت قرآن کا حق ادا کر جاتے -

صدق جدید یکم ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

كن عالماً او متعلماً او سامعاً ولا تكن رابعاً

(عالم، متعلم یا سامع تینوں میں سے ایک ضرور بنو!)

لاہور میں ——— مطالعہ قرآن

کی دو ہفتہ وار نشستیں

★

'مرکزی حلقہ تدبر قرآن'

کی ہفت روزہ نشست

ہر اتوار کو — — — — — تین بجے بعد دوپہر تا ساڑھے چار بجے شام

بمکان ڈاکٹر اسرار احمد، امرت روڈ — کرشن نگر۔

مولانا امین احسن اصلاحی درس قرآن و حدیث دیتے ہیں

(قرآن مجید میں انتیسویں پارے کا آخر اور حدیث میں ریاض الصالحین زیر درس ہیں)

★

'حلقہ مطالعہ قرآن سمن آباد'

کی ہفت روزہ نشست

ہر اتوار کو — — — — ساڑھے آٹھ تا ساڑھے نو بجے صبح

بمکان حاجی نثار احمد صاحب، ۲۱۱ - اے (این) سمن آباد

ڈاکٹر اسرار احمد — درس قرآن دیتے ہیں

(اس نشست میں خواتین کے لئے پردے کا انتظام بھی ہے)

★

شرکت کی عام دعوت ہے!

☐ اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہوچکا ہے — آئندہ کے لئے

★ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں — یا

★ اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں ——— ورنہ

★ آئندہ شمارہ آپ کو زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ وتبصرہ

اواخر فروری میں پاکستان کے تقریباً تمام اخبارات میں ایک خبر پی پی اے کے حوالے سے شائع ہوئی تھی جو اگرچہ سرتاپا غلط نہ تھی تاہم اس کا مجموعی تاثر انتہائی گمراہ کن تھا۔ ہم نے اس خیال سے اس کا نوٹس لینا ضروری نہ سمجھا کہ اخبارات میں اس طرح کی خبریں شائع ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ان کی تردید و وضاحت میں وقت ضائع کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ اس سے دو بالکل متضاد نتائج اخذ کئے گئے ہیں اور ہمیں اپنی طرف سے صحیح صورت حال کی وضاحت کر دینی چاہئیے۔

خبر کا جو متن اس وقت پیش نظر ہے وہ پاکستان ٹائمز کی ۲۰ فروری کی اشاعت کا ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"جماعت کے سابق رہنماؤں نے ایک متوازی تنظیم قائم کر لی ———!

جھنگ ۱۹ فروری: مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن، ڈاکٹر اسرار احمد اور دوسرے متعدد رہنما جو چند سال قبل امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی سے اختلافات کی بنا پر جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے تھے۔ انہوں نے "تنظیم اسلامی" کے نام سے ایک متوازی جماعت قائم کر لی ہے!

اب یہ تنظیم مغربی پاکستان کے تمام اضلاع میں اپنی شاخیں قائم کر رہی ہے اور اس کا لٹریچر بھی تمام اضلاع میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تنظیم اسلامی "اسلامک سٹوڈنٹس فیڈریشن" کے نام سے طلبہ کی ایک علیحدہ تنظیم قائم کرنے کا پروگرام بھی رکھتی ہے۔

تنظیم اسلامی پبلک پلیٹ فارم سے جماعت اسلامی کے لیڈروں کی نقاب کشائی[1] بھی کرے گی۔ (پی پی اے)"

---

[1] انگریزی کے لفظ "EXPOSE" کا اس سے زیادہ نرم ترجمہ راقم کی سمجھ میں نہیں آیا!

ہم نے تو جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا اس خبر کو کسی نامہ نگار کے اپنے ذہن و تخیل کی تخلیق قرار دے کر اس سے صرفِ نظر کر لیا تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ایک طرف تو جماعت اسلامی اور اس کے ہمدردوں کے حلقے کی جانب سے اس خبر کو اس امر کے ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا کہ 'تنظیم اسلامی' کا قیام حکومت کے اشارے پر بلکہ اس سے گٹھ جوڑ کے نتیجے میں عمل میں آیا ہے۔ چنانچہ متعدد جگہوں سے اطلاع ملی کہ اس خیال کا باقاعدہ چرچا کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف بعض ایسے حلقوں کی جانب سے اس خبر کا باقاعدہ 'خیر مقدم' ہوا جو مختلف وجوہ و اسباب کی بنا پر جماعت اسلامی سے سخت بدظن اور نالاں ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے، کراچی سے ایک صاحب کے خط کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"۔۔۔۔ اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ جماعت اسلامی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کیلئے آپ کی جماعت میدان عمل میں آ گئی ہے! میں عرصے سے اسی فکر میں تھا کہ جماعت اسلامی جن محترم ہستیوں کی بدولت بام عروج تک پہنچی تھی وہ ایک ایک کر کے اس سے علیحدہ ہو گئے۔ اب جماعت میں رہا کیا ہے ۔۔۔۔ اگر آپ حضرات اس سے قبل میدان میں آ جاتے تو جماعت اسلامی والے کبھی کا میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے، کیونکہ جماعت اب سسک رہی ہے، اندرونی طور پر سخت انتشار برپا ہے۔ دیگر سیاسی پارٹیوں کا سہارا لے کر اپنے تن مردہ میں نئی جان ڈالنے کی ناکام کوشش ہو رہی ہے ۔۔۔ تمام معیارات کو بالائے طاق رکھ کر ارکان کی بھرتی کا دفتر کھول دیا گیا ہے ۔۔۔ ہر حلقے میں سخت کشمکش اور انتشار برپا ہے، کارکنان تو کارکنان ارکان تک میں سخت بددلی پھیلی ہوئی ہے ۔۔۔ اور ۔۔۔۔ دم توڑ رہے ہیں، ۔۔۔۔ خسارے میں چل رہا ہے ۔۔۔۔ صاحب خسارے کے سبب سے متعدد بار استعفیٰ دے چکے ہیں ۔۔۔ یہ انتہائی مناسب موقع ہے۔ اگر آپ لوگوں نے ہمت اور محنت سے کام کیا تو پاکستان کے لوگ جلد اس مقدس نحوست سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے ۔۔۔۔"

ان متضاد تاثرات کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بعض وضاحتیں پیش کر دیں تاکہ اس کے بعد اگر کوئی اس قبیل کی خبروں سے اپنا من مانا مفہوم اخذ کرنا چاہے تو اس کی پوری ذمہ داری اسی پر ہو۔

جہاں تک تنظیم اسلامی کے قیام اور اس میں جماعت اسلامی کے بعض سابق اہم کارکنوں اور رہنماؤں کی شرکت کا تعلق ہے۔ یہ بفضلہٖ تعالیٰ و بعمدہٖ ایک مسرت بخش حقیقت ہے لیکن اس کے بارے میں یہ خیال جس کا بھی ہو بالکل غلط ہے کہ یہ جماعت اسلامی کی مخالفت یا اس کی قیادت کو ننگا کرنے کیلئے قائم کی گئی ہے۔ قارئین 'میثاق' تنظیم اسلامی کے قیام کے پورے پس منظر سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اجتماعِ رحیم یار خان، جس میں اس کے قیام کے فیصلے کو آخری صورت دی گئی تھی اس کی پوری روداد 'میثاق' میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کی اساسی قرارداد اور اس کی توضیحات ابتداءً جس صورت میں تھیں ان میں سے بھی بعد میں وہ تمام مقامات حتی الامکان حذف کر دیئے گئے جن میں کوئی اشارہ جماعت اسلامی یا اس کے نظریات کے جانب نکلتا تھا۔ خود 'میثاق' کے صفحات میں تنظیم اسلامی کے قیام سے قبل جماعت اور اس کے نظریات پر گاہ بگاہ جو تنقید آ جاتی تھی قیام تنظیم کے بعد اس کا سلسلہ بالکل ختم کر دیا گیا ۔۔۔

ان تمام امور سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کی مخالفت یا اس کے قائد کی شخصیت کی 'پردہ دری' تنظیم اسلامی کے بنیادی تو کیا فروعی و ثانوی مقاصد میں بھی شامل نہیں! ۔۔ تنظیم اسلامی کا قیام اس کے شرکاء کے اس مثبت احساس فرض کے نتیجے میں عمل میں آیا ہے جس نے اس سے قبل انہیں جماعتِ اسلامی میں شامل ہونے پر مجبور کیا تھا اور جس نے جماعت اور اس کی قیادت سے مایوسی کی بنا پر اس سے علیحدگی کے بعد مسلسل انہیں بے چین رکھا اور بالآخر مجبور کر دیا کہ وہ ایک نئی تنظیم قائم کر کے اس کے تحت ان جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی امکان بھر کوشش کریں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی جانب سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔

جماعت اسلامی کی موجودہ پالیسی سے ہمیں شدید اختلاف ہے اور اس کے قائد کے بعض مواقفِ علمی کو ہم انتہائی فتنہ انگیز بھی سمجھتے ہیں لیکن صرف ان کی مخالفت ہمارے نزدیک ہرگز کوئی مفید کام نہیں! ۔۔ اور اس پر تنقید کے باب میں ہم اس کم از کم (MINIMUM) سے ہرگز تجاوز نہ کریں گے جو اپنے مثبت کام کے لئے ہمارے لئے ناگزیر ہو گی۔

بلکہ سچ پوچھیے تو ہمارا ذاتی احساس تو یہ ہے کہ پاکستان کی جماعت اسلامی 'بطور جماعت' تو کبھی کی "تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ" کے حکم میں داخل ہو چکی! اب تو لے دے کر ایک مولانا مودودی اور دوسرے ان ہی کی شخصیت

کا کچھ داخل اور کچھ خارجی تانا بانا ہے — تو اس کی اہمیت کیا ؟ — اور کب تک ؟ ؟ —!!

پھر فتنہ کوئی ایک تو نہیں، اپنے طول و عرض اور گہرائی و گیرائی دونوں کے اعتبار سے اس کے مقابلے میں بدرجہا بڑے فتنے ملک میں موجود ہیں، ان میں سے بھی کسی ایک کو ہدف بنا کر اس کی سرکوبی میں اپنی ساری سعی و جہد صرف کر دینے کو ہم کوئی عقلمندی نہیں سمجھتے تو جماعتِ اسلامی تو اس میدان میں بہرحال "بچہ شتر" ہی کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ چونکہ وہ ہمارا ماضی بھی ہے لہٰذا اپنے نئے سفر کی ابتدا سے قبل ہمیں بعض وضاحتیں اس کے بارے میں بالکل ناگزیر طور پر کرنی پڑ رہی ہیں — آئندہ کے لئے یہ بات ہم پہلے بھی واضح کر چکے ہیں اور اب پھر کئے دیتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی سمیت کسی بھی جماعت کی مخالفت ہمارے مقاصد میں شامل نہیں ہے — تنظیم اسلامی بالکل مثبت مقاصد کے لئے قائم ہوئی ہے اور اسے اب اپنی راہ چلنا ہے اور جب تک کوئی چیز اس کی راہ کا ایسا جھاڑ جھنکاڑ نہ بن جائے کہ اس کو صاف کئے بغیر راہ چلنا ممکن ہی نہ رہے اسے کسی چیز سے تعرض نہیں کرنا ! —!!

متذکرہ بالا خبر کا جھنگ سے نشر ہونا اور اس میں طلبا کی ایک تنظیم کے قیام کا ذکر ایک خاص پس منظر رکھتا ہے۔ مناسب ہے کہ لگے ہاتھوں اس کی بھی وضاحت ہو جائے۔

ہوا یہ کہ جھنگ کی اسلامی جمعیت طلبہ سے منسلک بعض طلبہ بعض اسباب کی بنا پر (جن میں سب سے زیادہ اہمیت غالباً "خلافت و ملوکیت" کو حاصل ہے) جمعیت اور جماعت دونوں سے باغی ہو گئے اور انہوں نے اپنی ایک علیحدہ تنظیم "تنظیم فلاحِ طلبہ پاکستان" کے نام سے قائم کر لی۔ ساتھ ہی انہوں نے بعض امور میں مشورہ طلب کرنے کی غرض سے پہلے مولانا امین احسن اصلاحی اور پھر راقم الحروف سے ربط قائم کیا اور اس کے لئے ان کے ناظم صاحب نے لاہور کا سفر بھی کیا — راقم نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ تنظیم کے بکھیڑوں میں نہ پڑیں اور اپنے تعلیمی مشاغل سے جتنا وقت بھی فارغ کر سکیں اسے عربی زبان کی تحصیل اور قرآن حکیم کے مطالعے میں صرف کریں ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اگر وہ اس طرز پر کام کرنے کو تیار ہوں تو راقم ان کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہے — انہوں نے اس سے کامل اتفاق کا اظہار کیا۔ چنانچہ فروری میں راقم نے جھنگ کا سفر کیا اور وہاں ایک باقاعدہ حلقۂ مطالعہ قرآن کی بنیاد بھی رکھ دی اور ایک معروف عالم دین سے وعدہ بھی لے لیا کہ وہ

انہیں عربی پڑھانے کے لئے وقت بھی دیں گے۔ اتفاق سے اسی دن گورنمنٹ کالج جھنگ کی مجلسِ علوم اسلامی کی سالانہ تقریب بھی تھی جس میں راقم کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ وہاں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے موضوع ہی پر تقریر بھی کی گئی —!! — جھنگ میں ڈیڑھ روزہ قیام کے دوران بھی ان نوجوان طلبہ سے بار بار یہی کہا گیا اور پھر خطوط میں بھی انہیں اس کی تاکید کی گئی کہ جمعیت یا جماعت کی مخالفت ہی کو اپنا مقصد نہ بنا لیں بلکہ ساری توجہ مثبت تعمیری کاموں پر صرف کریں — لیکن جو خبر جھنگ سے نشر ہوئی اس میں بالکل برعکس بات کہی گئی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہے بہرحال یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ تنظیم اسلامی کے پیشِ نظر ہرگز طلبہ کی کسی نئی تنظیم یا جماعت کا قیام نہیں ہے — تنظیم کے پیشِ نظر کوئی سیاسی کھیل کھیلنا ہے ہی نہیں کہ اسے طلبہ کی کسی علیحدہ تنظیم کے قیام کا کھکھیڑ مول لینا پڑے — تنظیم جو تعمیری کام کرنا چاہتی ہے وہ طلبہ اور غیر طلبہ کے لئے عام ہے۔ اور تنظیم اسلامی کے دروازے طلبہ اور غیر طلبہ سب کے لئے یکساں کھلے ہیں۔

راقم کی جانب سے اس وضاحت کی ضرورت خاص طور پر اس لئے بھی ہے کہ ماضی میں اس کا ایک نمایاں نوعیت کا تعلق اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ رہا ہے۔ اور گزشتہ ماہ کراچی جانا ہوا تو وہاں جمعیت کے ایک کارکن سے یہ معلوم ہوا کہ جمعیت کے لوگوں سے کراچی کے بعض طلبہ نے راقم کا نام لے کر یہ کہا کہ ہم سے اس نے یہ کہا ہے کہ تم جمعیت کے مقابلے میں طلبہ کی ایک تنظیم قائم کر دو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے —! واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی بات کراچی کیا پاکستان کے کسی بھی طالب علم سے راقم کی نہیں ہوئی۔ یہ ایک خالص افترا و بہتان ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں —!!

'میثاق' کے جنوری ۷۲ء کے شمارے میں ہم نے 'افکار و آراء' کے ذیل میں ماہنامہ 'تعلیم القرآن' راولپنڈی سے ایک اقتباس "جمعیت اتحاد علماء کے سرکردہ حضرات کا 'خلافت و ملوکیت' کے متعلق فیصلہ" کے عنوان سے نقل کیا تھا۔ اس میں جو باتیں مولانا محمد چراغ صاحب، مفتی سیاح الدین صاحب اور مولانا گلزار احمد صاحب کی جانب منسوب کی گئی تھیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ان کی تردید ان حضرات نے کر دی ہے جو جماعت اسلامی کے پرچوں میں تفصیل سے شائع ہوئی ہے۔ اتفاق سے یہ مفصل تردید تو ہماری نگاہ سے نہیں گزری

البتہ اس کی تردید کی تردید مزید ماہنامہ "تعلیم القرآن" میں پھر دیکھنے میں آئی ہم ان تفاصیل میں جانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے البتہ قارئین 'میثاق' کے علم میں اس امر کا لے آنا بنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں کہ ان حضرات کی جانب جو باتیں اس اقتباس میں منسوب کی گئی تھیں ان کی انہوں نے تردید کر دی ہے۔ جو حضرات اس کی تفصیل جاننا چاہیں وہ ادارہ 'ایشیا' یا ادارہ 'آئین' سے رجوع فرمائیں۔

چند ماہ قبل ہم نے 'میثاق' کے انتظامی امور میں سے ایک معاملے یعنی سالانہ زرمبادلہ کے ختم ہو جانے کے بعد وی پی کی ترسیل کے ضمن میں سابقہ طرزِ عمل میں ایک تبدیلی کی تھی اور یہ طے کر دیا تھا کہ وی پی کی ترسیل صرف اس صورت میں ہوگی کہ دفتر کو اس امر کی واضح ہدایت مل جائے کہ وی پی ارسال کر دیا جائے۔ بصورت دیگر پرچے کی ترسیل روک دی جائے گی۔ یہ تبدیلی اس بنا پر کی گئی تھی کہ بہت سے وی پی عدم وصولی کی بنا پر واپس آجاتے تھے اور اس طرح ڈاک خرچ کا خسارہ ادارے کو برداشت کرنا پڑتا تھا لیکن اس کے بعد ہوا یہ کہ ایک طرف تو بہت سے حضرات کی طرف سے ہمیں یہ ہدایت موصول ہوئی کہ انہیں اس قاعدے سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور جوں ہی ان کا زرمبادلہ ختم ہو وی پی ارسال کر دیا جائے اور دوسری طرف بہت سے ایسے حضرات کا پرچہ رک گیا جن کے بارے میں ہمیں ذاتی طور پر معلوم ہے کہ وہ 'میثاق' کے قدردان ہیں اور اس کی خریداری جاری رکھنا چاہتے ہیں لیکن یا تو اتفاقاً نوٹس پر ان کی نظر نہ پڑی یا بعد میں خط لکھنا یاد نہ رہا ——— بنا بریں ہم نے آئندہ کے لئے سابق معمول ہی کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور آئندہ زرمبادلہ کے اختتام کے نوٹس کے بعد اگر اس امر کی ہدایت دفتر کو موصول نہ ہوئی کہ پرچہ بند کر دیا جائے، تو وی پی ارسال کر دیا جائے گا ——— اس امر کی درخواست البتہ ہم ضرور کرنا چاہتے ہیں کہ قارئین 'میثاق' نوٹس کی وصولی کے بعد ذرا محتاط رہیں اور اگر وہ خود دفاتر یا دکان پر ہوتے ہوں اور ڈاک گھر آتی ہو تو گھر والوں کو پیشگی خبردار کر دیا کریں تاکہ وی پی واپس نہ ہو اور بروقت وصول ہو جائے ——— نوٹس کو مزید نمایاں کرنے کے لئے آئندہ ہم اسے سرخ رنگ میں چھپوا کر علیحدہ سے پرچے میں چسپاں کر دیا کریں گے ——— انشاء اللہ

افاداتِ فراہیؒ

خالد مسعود

تخلیق اور اس کی غایت

تخلیق کے فعل کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک مادہ کے بغیر کسی چیز کو ایجاد کرنا، دوسرا ایک شے کو دوسری شے میں بدل دینا۔ جہاں تک ایجاد کا تعلق ہے یہ سمجھ میں تو آجاتی ہے لیکن اس کی کیفیت کو جاننا مشکل ہے۔ بدلنے کا عمل محکم تدبیر، مضبوط حساب اور شے کے دقیق ترین اجزاء میں حرکت پیدا کرنے پر مشتمل ہے۔ ایجاد کرنا اور بدلنا دونوں عجیب کام ہیں اور بدلنا بھی کسی طرح ایجاد سے کم نہیں کیونکہ یہ عمل فنا اور ایجاد دونوں پر حاوی ہے۔ مثال کے طور پر حرکت کو روشنی اور برق میں بدل دینا یا مٹی کو روغن، چینی، گوشت، ہڈی، پھلوں، پھولوں اور زندہ اجسام میں بدلنا نہایت ہی عجیب اور باریک کاموں میں سے ہے۔ ملحدین مادہ کے بغیر ایجاد کا انکار کرتے ہیں لیکن ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ وہ صرف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ بات ہمارے فہم سے بالاتر ہے اسی طرح وہ بدلنے کے عمل کو طبعی قوتوں سے منسوب کرتے ہیں چونکہ یہ عمل ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اس لئے ان کے پاس اسے طبعی قوتوں سے منسوب کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ مگر یہاں آکر رک جاتے ہیں حالانکہ ہر کام جس میں حکمت، تدبیر اور منفعت ہو لازماً کسی حکیم، ارادہ رکھنے والے، قادر اور رحیم کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور طبعی قوتوں کی یہ کیفیت نہیں۔ مزید غور کیجئے تو اس دنیا میں ایک ایسی حکمت بھی جاری ہے جو اس کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منظم کرتی ہے اور اس طرح توحید کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یہاں بھی ملحدین حیران ہو جاتے ہیں اور تخلیق کی نسبت ایک بڑی قوت کی طرف کر دیتے ہیں مگر اس خیال کے ساتھ کہ یہ قوت علم و ارادہ سے خالی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات چونکہ صاحب حمد اور صاحب حسن ہے، اس کی صفت کا یہ تقاضا ہوا کہ انعام کرے لہٰذا اس نے خلق کو پیدا کیا اور اس پر اتنا انعام کیا جس کی حد نہیں۔ پس تخلیق کی علت ارادی رحمت کے سوا کچھ نہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم　　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم[1]

یہ قول بہت عمدہ، حکیمانہ اور عقل و وحی کے مطابق ہے۔ اگر خدا کسی دوسرے سبب سے مخلوقات کو پیدا کرتا تو یہ کارِ عبث ہوتا کیونکہ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں۔ مخلوقات وجود میں آنے سے پہلے معدوم تھیں اسلئے ان کا اپنا کوئی تقاضا بھی نہ تھا۔ محض قوت کی صفت کے اندر بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس کی بدولت تخلیق لازم آتی ہو ورنہ باری تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر محض اپنے زور سے ہی خلق وجود میں آتی رہتی اور خدا کا خالق ہونا باطل ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہندو فلاسفہ سے مخفی رہی ہے اس لئے صفات رب کے سلسلہ کی دوسری ضلالتوں کے علاوہ وہ فلسفۂ تخلیق میں بھی گمراہ ہو گئے۔ اس معاملے میں مذکورہ حقیقت کو مضبوطی سے تھامنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے تمام امر کا سبب اس کی رحمت ہی کو سمجھنا چاہئے۔

جس طرح خلق اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار میں سے ہے اسی طرح شریعت بھی اس کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ بھی خلق ہی کی بھلائی کے لئے ہے۔ جنوں اور انسانوں کے سوا دوسری مخلوق کے لئے شریعت ان کا فطری الہام اور خدا کے فرشتوں کا تصرف ہے۔ رہا جن و انس کا سوال تو خدا نے ان کو تمیز عطا کی اور ابتلا میں ڈالا تاکہ وہ درجہ حمد کے مستحق ہو سکیں۔ یہ درجہ عقل و ارادہ کو عمل میں لائے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں۔ ہم پھول کو سونگھ کر خالق کی حمد کرتے ہیں اور عجائب قدرت دیکھ کر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں لیکن جب معاملہ انسان کا ہوتا ہے تو ہم اس کے فعل کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اپنے فعل کا خود ارادہ کرنے والا ہے۔ یہ درجہ بہت ہی بلند اور انسان کے لئے سب سے بڑا انعام ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی ردائے حمد میں سے ایک خلعت انسان کو بھی عطا کر دی ہے جو شخص اس خلعت سے مشرف ہوتا ہے۔ اللہ، اس کے فرشتے اور انسان اس کی تعریف کرتے ہیں، جو شخص خود اپنی تعریف کرے اور فخر کرے وہ گویا یہ خلعت چھین کر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس معاملے میں پسندیدہ چیز عاجزی، تواضع اور اللہ کے احسان کا اعتراف ہے۔ یہی حقیقت ہے جس کی بدولت دوسری تمام مخلوقات کی نسبت جن و انس پر عبودیت اور اس احسان کا اعتراف واجب ہے۔ یہ دونوں پہلے اس گمان کی بدولت کہ یہ مستقلاً قدرت رکھنے والے اور محمود ہیں، کفر و شرک کے بالکل کنارے پہ تھے تو خدا نے ان کو صحیح راہ سجھائی۔ اس نے ارادہ اور عقل عطا کی اور نیکی بدی کا رستہ الہام کیا۔ قرآن مجید اور دوسری مقدس کتابوں میں متعدد آیات اس پر دلیل ہیں کہ شریعت کا مدار رحمت اور ہمدردی پر ہے اور یہی تخلیق کی بنیاد بھی ہے۔ اسی حقیقت کو ہمارے سامنے مستحضر رکھنے کیلئے خدا نے اپنے ناموں — اللہ، رحمان اور رحیم — کو شروع میں رکھا، سورہ الحمد سے اپنی کتاب کا آغاز کیا اور اپنے اسماء میں سے بیشتر اسماء اسی اصل سے لئے مثلاً رؤوف، ودود، حنان، منان، مومن، وکیل، صمد، مولیٰ اور نصیر وغیرہ۔ ✤

---

[1] میں نے کسی منفعت کے لئے نہیں بلکہ بندوں پر بخشش کرنے کے لئے تخلیق کی ہے۔

تدبر قرآن
امین احسن اصلاحی

سورۂ مائدہ

یہ سورہ، جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں واضح ہو چکا ہے، پہلے گروپ کی آخری سورہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے آخری امت کی حیثیت سے اپنی آخری اور کامل شریعت پر پوری پابندی کے ساتھ قائم رہنے اور اس کو قائم کرنے کا عہد و پیمان لیا ہے۔ اس سے پہلے یہ عہد و پیمان اہل کتاب سے لیا گیا تھا لیکن وہ، جیسا کہ پچھلی سورتوں سے واضح ہوا، اس کے اہل ثابت نہیں ہوئے اس وجہ سے معزول کیے گئے اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دی اور اس کو اپنی آخری اور مکمل شریعت کا حامل اور امین بنایا۔ اب اس سورہ (مائدہ) میں عہد و پیمان لیا جا رہا ہے کہ تم پچھلی امتوں کی طرح خدا کی شریعت کے معاملے میں خائن اور غدار نہ بن جانا بلکہ پوری وفاداری اور کامل صداقت شعاری کے ساتھ اس عہد کو نبھانا، اس پر خود بھی قائم رہنا، دوسروں کو بھی اس پر قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور اس راہ میں پوری عزیمت و پامردی کے ساتھ تمام آزمائشوں اور تمام خطرات کا مقابلہ کرنا۔

سورہ کے موضوع کے تقاضے سے اس میں جو مطالب بیان ہوئے ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی چند باتیں بالکل نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ اس میں جو احکام و قوانین بیان ہوئے ہیں وہ دعوت اسلامی کے اس دور سے تعلق رکھنے والے ہیں جب تکمیل دین اور اتمام نعمت الٰہی کا مرحلہ سامنے آ چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ عہد و پیمان لینے کے لئے سب سے زیادہ موزوں احکام یہی ہو سکتے تھے۔ ان پر عہد و پیمان لینے کے معنی یہ ہیں کہ گویا پوری شریعت پر عہد و پیمان ہو گیا۔

دوسری یہ کہ ان احکام میں امتحان و ابتلا کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ پچھلی امتوں کو اس طرح کے جو احکام دیئے گئے تھے ان میں انہوں نے ٹھوکریں کھائیں جن کے نتیجے میں وہ خدا کی معتوب و مغضوب ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ فضل فرمایا کہ عہد و پیمان لیتے وقت ان احکام کو خاص طور پر سامنے کر دیا تاکہ یہ امت پاؤں پھسلنے کے ان مقامات سے اچھی طرح ہوشیار رہے۔ ظاہر ہے کہ جو خطرے کی جگہوں پر اپنے کو سنبھال سکے گا اس سے توقع یہی ہے کہ وہ ہموار جگہوں میں ٹھوکر نہیں کھائے گا۔

تیسری یہ کہ اس میں تفصیل کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے نقض عہد کی تاریخ بھی بیان ہوئی ہے اور اس کے اسباب و محرکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ یہ تاریخ اس امت کے لیے سبق آموزی اور

عبرت پذیری کا ذریعہ بن سکے۔

چوتھی یہ کہ اس میں انفرادی و اجتماعی زندگی کے ان مخفی گوشوں کی خاص طور پر نشان دہی کی گئی ہے جہاں سے شیطان اور اس کے ایجنٹوں کو در آنے کا موقع ملتا ہے اور پھر وہ فتنے سر اٹھاتے ہیں جو روکے نہ جائیں تو پوری شریعت تاراج ہو کے رہ جاتی ہے۔

پانچویں یہ کہ اس میں وہ اصول و ضوابط پوری طرح واضح کر دیئے گئے ہیں جن کا اہتمام عہد الٰہی پر قائم و استوار رہنے کے لئے ضروری ہے۔

ان پانچ باتوں کو سامنے رکھ کر جو طالب حق تدبر کے ساتھ اس سورہ کی تلاوت کرے گا وہ اس کے موضوع اور اس کے نظام کے سمجھنے میں انشاء اللہ کوئی الجھن نہیں محسوس کرے گا۔ اگرچہ سورہ کے نظام کو سمجھنے کے لیے یہ اشارات بھی کافی ہیں تاہم پوری سورہ کے مضامین کا تجزیہ بھی ہم کئے دیتے ہیں تاکہ تمام مطالب بیک نظر سامنے آ جائیں۔

سورہ کے مضامین کا تجزیہ

[۱–۵] اللہ سے باندھے ہوئے ہر عہد کو پورا کرنے کی تاکید۔ اشہر حرم اور تمام شعائر الٰہی کی حرمت کی ہدایت یہاں تک کہ حالت احرام میں شکار بھی ناجائز ہے اور دوسروں کی انگیخت بھی اس بات کے لئے عذر نہیں ہو سکتی کہ شعائر الٰہی کی حرمت کو کوئی بٹہ لگے۔ تعاون نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ہونا چاہیے، نہ کہ گناہ اور حدود الٰہی سے تجاوز کے کاموں میں۔

اس امت کے لئے کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو چیزیں حرام ہیں ان کی تفصیل اور مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ اب تمہیں کسی کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تمہارے مخالفین نہ یہ توقع رکھتے کہ ان کے دین اور تمہارے دین میں کوئی مفاہمت ہو سکے گی اور نہ یہ امید رکھتے کہ وہ اس دین کو شکست دے سکیں گے۔ اب تمہارا دین کامل ہو گیا اور تم پر اللہ نے اپنی شریعت کی نعمت تمام کر دی اب تم بس اسی کی پیروی کرو اور دوسروں سے بے پروا ہو جاؤ۔

تربیت کردہ شکاری جانوروں کے شکار، اہل کتاب کے کھانے اور کتابیہ سے نکاح کے بارے میں حکم اور یہ تنبیہ کہ جو ایمان کے ساتھ کفر کو جمع کریں گے ان کے سارے عمل اکارت جائیں گے۔

[۶–۷] نماز کے لئے وضو کا حکم اور عذر و مجبوری کی حالت میں تیمم کی اجازت اور یہ تنبیہ کہ اس حکم اور اس رخصت سے اللہ نے تمہیں پاکیزہ بنانا اور تم پر اپنی شریعت کی نعمت کو کامل کرنا چاہا ہے

تو اللہ کے شکر گزار رہنا، اس کے اس انعام کو یاد رکھنا، اور سمعنا واطعنا کا اقرار کر کے اپنے رب سے جو عہد تم نے باندھا ہے اس پر مضبوطی سے جمے رہنا۔

[۸–۱۱] مسلمانوں کو مخالفوں اور دشمنوں کی شر انگیزیوں کے باوجود حق و عدل پر قائم رہنے کی ہدایت اللہ کا وعدہ مغفرت انہی کیلئے ہے جو ایمان و عمل صالح پر قائم رہیں گے۔ مسلمانوں کو یہ یاد دہانی کہ دشمن کے ایک گروہ نے تم کو زک پہنچانی چاہی تو خدا نے اس کو بے بس کر دیا تو اللہ ہی سے ڈرو اور اسی پر بھروسہ کرو۔

[۱۲–۱۳] بنی اسرائیل سے میثاق کا حوالہ کہ اللہ نے ان سے عہد لیا کہ اگر وہ اللہ کی شریعت پر قائم رہیں گے تو اللہ ان کے ساتھ ہوگا اور اگر وہ اس عہد کو توڑ دیں گے تو گمراہ اور خدا کی معیت سے محروم ہو جائیں گے لیکن انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان پر لعنت کر دی۔

[۱۴] نصاریٰ کے میثاق کا حوالہ کہ خدا نے ان سے بھی میثاق لیا لیکن وہ اس کا ایک حصہ بھلا بیٹھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اندر قیامت تک کے لئے عناد و اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ آخرت میں بھی اس کی سزا بھگتیں گے۔

[۱۵–۱۶] اہل کتاب کو دعوت کہ اللہ نے اپنے آخری پیغمبر اور قرآن کے ذریعہ سے جو روشنی تمہیں دکھائی ہے اس کی قدر کرو اور اندھیرے میں بھٹکنے کے بجائے سلامتی کی راہ اور صراط مستقیم کی طرف آؤ۔

[۱۷–۱۹] نصاریٰ کو ملامت کہ انہوں نے مسیح کو خدا بنا لیا اور یہود و نصاریٰ دونوں کے اس زعم کی تردید کہ وہ خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں نیز یہ تنبیہ کہ خدا نے اپنا رسول بھیج کر ان پر حجت تمام کر دی ہے۔ اب ذمہ داری تمام تر ان کی ہے۔

[۲۰–۲۶] بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے اس واقعہ کی یاد دہانی کہ خدا نے ان کو اپنے عظیم فضل سے نوازا، ان کو فتح و نصرت کے وعدے کے ساتھ ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا لیکن انہوں نے بزدلی دکھائی اور اپنے اندر کے دو اولوالعزم آدمیوں کی ہمت افزائی کے باوجود اپنے پیغمبر کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا جس کی سزا ان کو یہ ملی کہ چالیس سال تک صحراؤں میں بھٹکتے رہ گئے اور ان کو ارض مقدس میں داخل ہونے کی سعادت نہ حاصل ہوئی۔

[۲۷–۳۱] آدم کے دو بیٹوں کا قصہ جس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ایک خدا ترس انسان کس طرح دشمن کی انگیخت کے باوجود خدا کے عہد پر قائم رہتا ہے اور ایک شریر انسان کس طرح قاسد

جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے بھائی کو قتل کر دیتا اور پھر اعتراف گناہ کے بجائے اس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

[۳۲] اس امر کا بیان کہ نفس انسانی کی مذکورہ بالا خرابی کے سدِ باب کے لیے اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے یہ قانون بتایا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ہے۔ یعنی قتل جماعتی جرم ہے اور حفاظت جان جماعتی ذمہ داری۔ لیکن بنی اسرائیل نے اس قانون کا احترام نہیں کیا بلکہ اپنے رسولوں کی کھلی ہوئی ہدایات و تنبیہات کے باوجود خدا کی زمین میں فساد مچاتے رہے۔

[۳۳—۳۴] ان لوگوں کی سزا کا بیان جو جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ خدا کا قانون توڑنے اور ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں۔

[۳۵—۳۷] مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کہ حدود والٰہی پر قائم رہو، پابندیٔ شریعت کو حصول قربِ الٰہی کا وسیلہ بناؤ اور اس شریعت کے قیام کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہو خدا کے عذاب سے یہی چیز نجات دینے والی ہے۔ اس کے سوا کوئی چیز بھی نفع پہنچانے والی ثابت نہیں ہوگی

[۳۸—۴۰] چوری کی سزا قطع ید ہے۔ اس کی بے رو رعایت تنفید کی تاکید اور تنبیہ کہ خدا کے قانون سے بھاگنے والوں کو آخرت میں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

[۴۱—۴۵] منافقین اور یہود کی ان چالوں اور شرارتوں کا بیان جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے گریز کے لئے کر رہے تھے۔ ان حرکات کی پردہ دری جو ان شرارتوں کے پیچھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ آپ ان لوگوں کی شرارتوں سے آزردہ نہ ہوں اور یہ خواہ کچھ کریں لیکن آپ جب بھی ان کے معاملے کا فیصلہ کریں ٹھیک قانون عدل کے مطابق کریں۔ یہود کو ملامت کہ یہ ان کی کیسی بدبختی ہے کہ جس کتاب کے وہ شاہد اور امین بنائے گئے اس کے واضح احکام کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے کرانے سے گریز اختیار کر رہے ہیں۔

[۴۶—۴۷] نصاریٰ کو تنبیہ کہ انہیں بھی یہ حکم ہوا تھا کہ وہ تمام معاملات کے فیصلے انجیل کے مطابق کریں اور جو اس کی خلاف ورزی کریں گے وہ نافرمان اور عہد شکن قرار پائیں گے

[۴۸—۵۰] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کہ قرآن تمام اختلافات کے درمیان قول فیصل کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اب یہی تمام پچھلے صحیفوں کے لئے کسوٹی ہے۔ اہل کتاب کی بدعات کی کوئی پروا نہ کرو۔ ہر معاملے کا فیصلہ اسی کی روشنی میں کرو۔ اگر یہ اہل کتاب اپنی بدعات چھوڑنا نہیں چاہتے تو تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ان کا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ ہوشیار رہو

کہ یہ تمہیں اپنی بدعات و خواہشات کی طرف موڑنے نہ پائیں۔

[۵۱—۵۶] مسلمانوں کو تنبیہ کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ جو ان کو اپنا دوست بنائے گا اس کا شمار انہی میں ہوگا۔ منافقین کے اس راز کا اظہار کہ یہ ڈرتے ہیں کہ اگر یہود و نصاریٰ سے کھلم کھلا بگاڑ کر لیا اور کل کو پلڑا انہی کا بھاری رہا تو کیا ہوگا حالانکہ انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ اسلام کی فتح کے بعد اگر ان کا سارا پول کھول دیا گیا تب کیا ہوگا۔ منافقین کو دھمکی کہ اگر یہ مرتد ہونا چاہتے ہیں تو ہو جائیں، خدا کو کوئی پروا نہیں، خدا اسلام کی حمایت کے لئے ایسے لوگوں کو کھڑا کرے گا جن سے خدا محبت کرے گا اور وہ خدا سے محبت کریں گے۔

[۵۷—۶۶] منافقین کی بے حمیتی پر ملامت کہ ان یہود کو یہ اپنا دوست بناتے ہیں جو اپنی مجلسوں میں اسلام اور اس کے شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہود کو سرزنش کہ انہیں آخرت میں پتہ چلے گا کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ بدانجام کون ہے۔ یہود کی دھوکا بازی اور ان کے علماء کی بے حسی و بے غیرتی کی طرف اشارہ۔ یہود کا طنز اللہ تعالیٰ پر اور اس کا جواب۔ یہ اشارہ کہ حسد کے جوش میں یہود برابر جنگ کی آگ بھڑکاتے رہیں گے لیکن خدا ان کی کسی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ اہل کتاب کو ملامت کہ ان کی شامت ہی ہے کہ انہوں نے اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھا اگر وہ اس کو قبول کرتے تو درحقیقت تورات و انجیل کو قائم کرتے اور ان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابیوں کے دروازے کھل جاتے لیکن ان میں عدل پسند تھوڑے نکلے، اکثریت بدعمل ہی کی ہے۔

[۶۷—۷۱] پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کہ تم بالکل نڈر ہو کر ان اہل کتاب کو حق پہنچا دو کہ جب تک تم تورات و انجیل اور اس قرآن کو قائم نہ کرو تمہاری کوئی حیثیت نہیں خدا سے نسبت صرف ان کو حاصل ہوگی جو ایمان و عمل سے نسبت پیدا کریں گے۔ یہود کی تاریخ کا حوالہ کہ ان سے میثاق لینے کے بعد اللہ نے اس میثاق کی تجدید کے لئے برابر رسول بھیجے لیکن انہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔ رسولوں کے ایک گروہ کی انہوں نے تکذیب کر دی اور بعض کو قتل کر دیا۔ انہوں نے خدا کی ڈھیل سے یہ گمان کر لیا کہ اب کوئی پکڑ نہیں ہوگی اور برابر اندھے بہرے بنے رہے۔

[۷۲—۷۷] نصاریٰ کے کفر کا بیان کہ انہوں نے مسیح ؑ کی تعلیمات کے بالکل خلاف حلول اور تثلیث کے عقیدے ایجاد کر لیے۔ حضرت مسیح ؑ اور ان کی والدہ کے اصل مرتبہ کی وضاحت اور نصاریٰ کو یہ تنبیہ کہ ایک گمراہ قوم کی ایجاد کردہ بدعات کی تقلید میں انہوں نے اپنے کو ہلاکت میں مبتلا کیا

[۸۲—۸۶] بنی اسرائیل پر حضرت داؤدؑ اور حضرت مسیحؑ کی لعنت کا حوالہ کفر دوستی اور اسلام دشمنی کے جوش میں مشرکین مکہ تک سے ان کی دوستی کی طرف اشارہ اسلام دشمنی میں یہود و مشرکین قریش اور نصاریٰ کے مزاج کا فرق۔ حق پرست نصاریٰ کی حق پرستی اور اسلام دوستی کی تحسین۔

[۸۷—۱۰۵] سورہ کے شروع میں بیان کردہ احکام حلت و حرمت کے بعض پہلوؤں کی وضاحت اور ان سے متعلق سوالوں کے جواب۔ خدا کی مباح کردہ چیزوں کو اپنے جی سے حرام ٹھہرانے کی ممانعت احترام عہد و پیمان کے پہلو سے قسم کے معاملے میں احتیاط کی تاکید اور ارادی قسموں کا کفارہ۔ شراب، جوا، اور انصاب و ازلام کی قطعی حرمت کا اعلان۔ شراب اور جوئے کے شرعی اور معاشرتی مفاسد جو لوگ دور جدید جرتحریم و تحلیل کے معاملے میں خدا کے احکام کا احترام کرتے آئے ہیں ان کی پچھلی غلطیوں پر کوئی گرفت نہیں حالت احرام میں شکار کی ممانعت ایک تحت آزمائش ہے اس وجہ سے اس معاملے میں بیدار رہنے کی ہدایت اور اگر غلطی ہو جائے تو اس کے کفارے کی صورت، نیز اس ممانعت کی جس حد تک رخصت ہے اس کا بیان، خانہ کعبہ اور اس سے متعلق تمام شعائر کے برابر احترام کرتے رہنے کی تاکید اور یہ تنبیہ کہ رسول کا کام اللہ کی ہدایت کا پہنچا دینا تھا اس نے پہنچا دیں اب ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے برائی کی کثرت برائی کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی اس وجہ سے دانشمندی اور فلاح کی راہ یہ ہے کہ برائی سے بچا جائے۔ غیر ضروری سوالات کرنے کی ممانعت اس سے یہود کو جو نقصانات پہنچے اس کی طرف اشارہ۔ تحریم و تحلیل سے متعلق قریش کی بعض بدعات کا حوالہ اور ان کی اندھی تقلید آبا پر سرزنش۔ مسلمانوں کو ہدایت کہ جو نہیں سنتے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

[۱۰۶—۱۰۸] شہادت حق اور عہد و قسم کے تحفظ کے پہلو سے حالت سفر کی وصیت اور اس سے متعلق گواہی کا ضابطہ اور اگر اس کے بارے میں کوئی اشتباہ پیش آجائے تو اس کے تدارک کا طریقہ۔

[۱۰۹—۱۲۰] خاتمۂ سورہ —— قیامت کے دن انبیاء اپنی اپنی امتوں کے باب میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے اللہ کی طرف سے لوگوں کو کیا بتایا اور سکھایا اور لوگوں سے کن باتوں کے کرنے اور کن باتوں کے نہ کرنے کا عہد و اقرار لیا تاکہ ہر امت پر حجت تمام ہو سکے کہ جس نے بھی کوئی بدعہدی کی ہے اس کی ذمہ داری تمام تر اسی پر ہے، اللہ کے رسول اس سے بری ہیں۔ اس شہادت کی نوعیت واضح کرنے کیلئے بطور مثال حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کا تفصیلی تذکرہ تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اللہ نے اپنے نبیوں اور رسولوں پر جس شہادت حق کی ذمہ داری ڈالی ہے وہ اس کے بارے میں عنداللہ مسئول ہوں گے اور ان کے واسطے سے امتوں نے جس قیام بالقسط اور شہادت حق کا عہد و پیمان خدا سے باندھا ہے وہ اس کیلئے مسئول ہوں گی۔ اور آخرت کی فلاح اور خدا کی خوشنودی ان کو حاصل ہو گی جو اس عہد کا حق ادا کرنے والے ثابت ہوں گے۔

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

(۵)

تفسیر سورۂ مائدہ

مدنی —————— آیات ۱۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۛ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا
يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ
وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ
وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ
الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَ
الْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ
وَمَا ذُبِحَ عَلَي النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ
دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ
فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③ يَسْــــَٔـلُوْنَكَ مَا
ذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ
تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَ

طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ
مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ
فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان پورے کرو۔ تمہارے لئے انعام کی قسم کے تمام چوپائے حلال ٹھہرائے گئے بجز ان کے جن کا حکم تم کو پڑھ کر سنایا جائے گا، نہ جائز کرتے ہوئے شکار کو حالت احرام میں۔ اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے ۔ ۱

اے ایمان والو! شعائر الٰہی کی بے حرمتی نہ کیجیو نہ محترم مہینوں کی، نہ قربانیوں کی، نہ پٹے بندھے ہوئے نیاز کے جانوروں کی، نہ بیت اللہ کے عازمین کی، جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب بن کر نکلتے ہیں۔ اور جب تم حالت احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کرو۔ اور کسی قوم کی دشمنی، کہ اس نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے، تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم حدود سے تجاوز کرو۔ تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو، گناہ اور تعدی میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ سخت پاداش والا ہے ۔ ۲

تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا گیا جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، جو چوٹ سے مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو سینگ لگ کر مرا ہو، جس کو کسی درندے نے کھایا ہو بجز اس کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعے سے۔ یہ سب باتیں فسق ہیں۔ اب یہ کافر تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے تو تم ان سے نہ ڈرو، مجھی سے ڈرو، اب میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا۔ پس جو بھوک میں مضطر ہو کر، بغیر گناہ کی طرف مائل ہوئے، کوئی حرام چیز کھائے تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے ۔ ۳

وہ پوچھتے ہیں ان کے لیے کیا چیز حلال ٹھہرائی گئی ہے۔ کہہ، تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں اور جو شکاری جانور جن کو تم نے سدھایا ہے اس علم میں سے کچھ سکھا کر جو خدا نے تم کو سکھایا تو تم ان کے اس شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لئے روک رکھیں اور ان پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے ۔ ۴

اب تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور شریف عورتیں مسلمان عورتوں میں سے اور شریف عورتیں ان اہل کتاب میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ ان کو قید نکاح میں لا کر ان کے مہر ان کو دو، نہ کہ بدکاری کرتے ہوئے اور آشنائی گانٹھتے ہوئے اور جو ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس کا عمل ڈھے جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں ہوگا ۔ ۵

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ
مَا يُرِيْدُ (۱)

• اوفوا بالعقود: عقد کا لفظ عہد و میثاق کے الفاظ کے مقابل میں عام ہے۔ اس میں قول و قرار، قسم اور کسی معاملے میں گواہی کی ذمہ داری سے لے کر اس عہد و میثاق تک جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا ہے سب آگیا۔ چنانچہ اس سورہ میں میثاق شریعت کی پوری تاریخ بھی اس کے نتائج و عواقب کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور قسم اور شہادت کی ذمہ داریاں بھی واضح کی گئی ہیں۔

• احلت لکم بہیمۃ الانعام: انعام کا لفظ عربی میں بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے بیل کے لئے معروف ہے۔ اس کی تصریح خود قرآن نے سورہ انعام کی آیات ۱۴۳، ۱۴۴ میں فرما دی ہے بہیمہ کا لفظ اس سے عام ہے۔ اس میں انعام کی نوع کے دوسرے چوپائے بھی داخل ہو جاتے ہیں انعام کی طرف اس کی اضافت سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ اونٹ، گائے، بکری اور اس قبیل کے سارے چوپائے، خواہ گھریلو ہوں یا وحشی تمہارے لئے جائز ٹھہرائے گئے۔ "جائز ٹھہرائے گئے" سے مطلب یہ ہے کہ وہ پابندیاں جو تم نے اپنے اوہام کی بنا پر عائد کی ہیں وہ بھی ختم اور جو پچھلے صحیفوں کی روایات کی بنا پر تھیں وہ بھی کالعدم۔

• الا ما یتلیٰ علیکم: یہ اشارہ ہے آگے آیت ۳ میں بیان کردہ حرمتوں کی طرف۔

• غیر محلی الصید وانتم حرم: یہ ان حرمتوں میں سے سب سے پہلی حرمت کا ذکر ہے۔ یعنی تمہارے لئے انعام کے قسم کے تمام چوپائے جائز ہیں بایں پابندی کہ حالت احرام میں شکار کو جائز کر لینے والے نہ بن جاؤ

اس کے حالیہ اسلوب بیان اور اس کے سب سے پہلے ذکر کرنے سے اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے جس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیل کی ضرورت ہے۔

ہم اوپر تمہیدی گفتگو میں اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سورہ میں جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ تکمیل واتمامی نوعیت کے بھی ہیں اور ان میں امتحان و آزمائش کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ اپنے اسی پہلو سے وہ اس سورہ کے لئے جو سورۃ المیثاق ہے، موزوں قرار پائے ہیں۔ ان پر عہد لینے کے معنی ایک طرف تو یہ ہیں کہ پوری شریعت کی پابندی کا عہد لیا گیا، دوسری طرف یہ کہ ان چیزوں پر عہد لیا گیا جو دوسری ملتوں کے لئے مزلۂ قدم ثابت ہو چکی تھیں۔ چنانچہ یہاں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں ہی پہلو ملحوظ ہیں۔

کھانے پینے کے باب میں یہاں جو حرمتیں اور حلتیں بیان ہوئی ہیں وہ بالکل آخری نوعیت کی ہیں۔ اس سے پہلے اس باب کے بہت سے احکام بقرہ میں گزر چکے ہیں بلکہ بقرہ سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ انعام میں بیان ہوئے ہیں جو ایک مکی سورہ ہے[1]۔ صرف کچھ جزئیات اور تفصیلات باقی رہ گئی تھیں جو اس سورہ میں بیان ہو گئی ہیں اور ان کے بعد یہ باب گویا بالکل مکمل ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت آگے کی آیات سے خود اس قدر واضح ہو جائے گی کہ کسی دلیل کی محتاج نہیں رہے گی۔

ابتلاء و امتحان کے زاویہ سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ حالت احرام میں شکار کی ممانعت کا معاملہ بالکل اس حکم سے مشابہ ہے جو یہود کو سبت کے احترام سے متعلق دیا گیا تھا۔ ان کو سبت کے دن مچھلیوں کے شکار کی ممانعت تھی لیکن وہ اس عہد کو نباہ نہ سکے بلکہ مختلف حیلے ایجاد کر کے انہوں نے اس کو جائز بنا لیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی۔ سبت کے حکم سے اس کی مشابہت خود قرآن نے اسی سورہ میں آگے آیات ۹۳-۹۶ میں واضح کر دی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو، اپنے رب سے اس کی شریعت کی پابندی کا جو عہد میثاق تم نے کیا ہے اس کو پورا کرنا۔ تمہارے لئے انعام کی قسم کے تمام چوپائے بجز ان کے جو آگے بیان کئے جا رہے ہیں اس پابندی کے ساتھ حلال ٹھہرائے گئے کہ احرام کی حالت میں شکار نہ کرنا۔ آخر میں 'ان اللہ یحکم ما یرید' فرما کر اس حکم کے امتحانی پہلو کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ حکم تمہاری

[1] ملاحظہ ہو بقرہ آیت ۱۷۳ و انعام آیات ۱۴۳-۱۴۴

وفاداری کی جانچ کے لئے ہے، اس میں مین میکھ نکالنے اور اس سے گریز و فرار کی راہیں نہ ڈھونڈنا۔ خدا جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت ہی میں اس کے بندوں کے لئے خیر و برکت ہے۔ یہ بات یہاں ملحوظ رہے کہ جو احکام امتحان کے مقصد سے ہوتے ہیں ان میں بندوں کی مصلحت کا پہلو مخفی ہوتا ہے اس وجہ سے جب تک یہ عقیدہ دل میں مضبوط نہ ہو کہ خدا کو حکم دینے کا اختیار مطلق حاصل ہے اور اس کا ہر حکم بندوں ہی کی مصلحت کے لئے ہوتا ہے اس وقت تک پوری وفاداری کے ساتھ ان کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (۲)

'لا تحلوا شعائر اللہ': بقرہ آیت ۱۵۸ کے تحت 'شعائر اللہ' پر تفصیل کے ساتھ بحث ہو چکی ہے۔ شعائر کسی اہم دینی و روحانی حقیقت کے مظہر اور پیکر ہیں۔ ان میں اصل مقصود کی حیثیت تو ان روحانی و معنوی حقائق کی ہے جو ان مظاہر کے اندر مضمر ہیں اس لئے کہ ان حقائق ہی کا احساس دلانے کے لیے ان کو بطور نشان اور علامت کے مقرر کیا گیا ہے لیکن یہ مقرر کردہ خدا کے ہیں اس وجہ سے ان کے ظاہر و باطن دونوں کا یکساں احترام مطلوب ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ ان کے احترام کے جو آداب و شرائط مقرر ہیں ان کی خلاف ورزی کرے یا جو چیزیں یا جو باتیں ان کے تعلق سے حرام ہیں ان کو جائز کرے مثلاً چار محترم مہینوں — ذی قعدہ، ذی الحجۃ، محرم اور رجب جو حج و عمرہ کے تعلق سے محترم مہینے قرار دیئے گئے ہیں، ان میں لڑائی بھڑائی ممنوع ہے اگر کوئی گروہ ان میں لڑائی چھیڑ دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے ان حرام مہینوں کو اپنے لئے جائز کر لیا اور ان کی بے حرمتی کی۔

'ہدی' قربانی کے جانوروں کو کہتے ہیں جو بطور ہدیہ خدا کے حضور پیش کرنے کے لئے بیت اللہ لے جائے جاتے ہیں۔ 'قلائد' قلادہ کی جمع ہے جس کے معنی پٹے کے ہیں۔ اس میں مضاف محذوف ہے یعنی 'ذوات القلائد' یعنی قربانی اور نذر و نیاز کے وہ جانور جن کو تخصیص کے طور پر پٹے باندھ دیئے گئے

ہیں کر پہچانے جائیں اور کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔ یہی کے بعد قلائد کا ذکر عام کے بعد خاص کے ذکر کی نوعیت رکھتا ہے اور مقصود ان سے تعرض کی سنگینی کو واضح کرنا ہے کہ جن جانوروں کے گلے میں خدا کی تخصیص کے پٹے بندھ گئے ان پر حملہ خاص خدا کے گلے پہ حملہ کرنا ہے۔ اسی طرح 'آمین البیت الحرام' کے ساتھ یبتغون فضلاً من ربھم ورضواناً کی صفت کا ذکر اس نہی کو موثر بنانے کے لئے ہے کہ جو اللہ کے بندے خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں گھر سے نکلے ہوں ان کو نقصان پہنچانے کے درپے ہونا خود خدا سے تعرض کرنے کے مترادف ہے۔

'ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم الآیۃ' 'شنآن' کے معنی بغض و عداوت کے ہیں اور 'لا یجرمنکم' کے معنی ہیں تمہارے لیے سبب و محرک نہ بنے، تمہیں آمادہ نہ کرے۔ قوم سے مراد یہاں قریش ہیں اور ان صدوکم عن المسجد الحرام، اس بغض و عداوت کے سبب کی تفصیل ہے یعنی اگرچہ قریش نے تمہیں بیت اللہ سے روک کر تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ لیکن اس چیز کا غم و غصہ بھی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم شعایر الٰہی کے معاملے میں حدود الٰہی سے تجاوز کرو۔

وتعاونوا علی البر والتقوی الآیہ یہ اوپر والی بات کی ایک دوسرے پہلو سے تاکید ہے۔ یعنی جس گروہ کو اللہ نے نیکی اور تقویٰ دنیا میں قایم کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اس کے لئے پسندیدہ روش یہ نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی زیادتیوں سے مشتعل ہو کر خود اسی طرح کی زیادتیاں کرنے لگے۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے گناہ اور زیادتی کے کام میں تعاون کیا اور شریروں نے برائی کی جو نیو جمائی اس پر اس نے بھی چند روڑے رکھ دیئے۔ حالانکہ اس کا کام نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنا تھا۔[1]

اجزا کو سمجھ لینے کے بعد آیت کے مجموعی نظام پر پھر ایک نظر ڈال لیجئے۔

اوپر والی آیت میں حالت احرام میں شکار کی ممانعت فرمائی تھی کہ یہ چیز احرام کے تقدس

---

[1] یہ ملحوظ رہے کہ یہاں جس چیز سے روکا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے کے طرز عمل سے مشتعل ہو کر کوئی کام جارحانہ طور پر خود مسلمان بھی ایسا کر گزریں جو شعایر الٰہی کے احترام کے منافی ہو اگر مسلمانوں کو اپنے تحفظ اور دفاع کے لئے مجبوراً کوئی قدم اٹھانا پڑے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے دفاعی جنگ اشہر حرم بلکہ عین حرم میں بھی لڑی جا سکتی ہے۔ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اور اس کے درویشانہ مزاج کے خلاف نیز شعائر الٰہی میں سے ایک شعیرہ کی توہین ہے۔ اب اسی تعلق سے پہلے تمام شعایر الٰہی کے احترام کی بحیثیت مجموعی تاکید فرمائی پھر چند مخصوص شعایر کا حوالہ دیا۔ پھر شکار کی ممانعت سے متعلق یہ واضح فرما دیا کہ اس کا تعلق صرف حالت احرام سے ہے۔ احرام سے باہر آجانے کے بعد یہ ممانعت اٹھ جائے گی۔

پھر اس اشتعال انگیز سبب کا ذکر فرمایا جو اس وقت تازہ بتازہ موجود تھا اور اندیشہ تھا کہ مسلمان اس سے مغلوب ہو کر کوئی بات ایسی کر گزریں جو احترام شعائر کے منافی ہو۔ قریش نے ان کو بیت اللہ کے حج و زیارت سے محروم کر رکھا تھا۔ یہ معاملہ نہایت نازک اور صبر آزما تھا اور اب کہ مسلمانوں نے سیاسی قوت حاصل کر لی تھی خاصا اندیشہ اس بات کا تھا کہ اس عہد کے احترام میں ان سے کوئی بے اعتدالی صادر ہو جائے۔ یہ صورت حال مقتضی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس مزلۂ قدم سے ہوشیار کر دے کہ دوسروں کی زیادتیاں بھی ان کے لئے کسی زیادتی کا جواز فراہم نہیں کر سکتیں۔ وہ دنیا میں شعایر الٰہی کا احترام قایم کرنے اور نیکی اور تقویٰ کے علم بردار بن کر اٹھے ہیں اس وجہ سے جب تک اپنے بچاؤ کی ضرورت مجبور نہ کر دے ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی قدم نیکی اور تقویٰ کے خلاف اٹھائیں اس کے بعد نکتہ کی بات یہ ارشاد ہوئی کہ دوسروں کے غلط رویے سے متاثر ہو کر انہی کی سی روش اختیار کر لینا درحقیقت ان کی برپا کی ہوئی بدی میں ان کے ساتھ تعاون کرنا ہے، اور یہ چیز اہل ایمان کے شایان شان نہیں ہے۔ اہل ایمان کے شایان شان بات یہ ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کریں اگرچہ دشمن کے ہاتھوں بھی کوئی کام نیکی کا ہو رہا ہو تو اس میں مزاحم ہونے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کریں۔ آخر میں 'شدید العقاب' کی حقیقت کا حوالہ دینے سے مقصود مسلمانوں کو سخت الفاظ میں تنبیہ ہے کہ عہد الٰہی کی حرمت سخت سے سخت حالات میں بھی قایم رکھنی ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ جس خدا نے تم کو اپنے عہد و میثاق سے دنیا کی امامت کی سرفرازی بخشی ہے اس کے ہاں نقض میثاق کی پاداش بھی بڑی سخت ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳)

میتۃ، دم، لحم خنزیر، اور ما اھل لغیر اللہ بہ، کا ذکر سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۳ کے تحت گزر چکا ہے۔

میتہ کی تفصیل

'منخنقۃ' اس جانور کو کہتے ہیں جو گلا گھٹ کر مر جائے۔

'موقوذۃ' جو چوٹ سے مر جائے مثلاً کسی جانور پر دیوار گر پڑی یا وہ کسی ٹرک کے نیچے آ گیا۔

'متردیۃ' جو اوپر سے نیچے گر کر مر جائے۔

'نطیحۃ' جو کسی جانور کی سینگ سے زخمی ہو کر مر جائے۔

'ما اکل السبع' جس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو۔

مذکورہ پانچوں چیزوں کا ذکر درحقیقت 'میتۃ' کی تفصیل کے طور پر ہوا ہے اور اس تفصیل سے گویا اس حکم کی تکمیل ہو گئی جو بقرہ اور اس سے پہلے انعام میں بیان ہو چکا ہے۔ اس تفصیل کی ضرورت اس لئے تھی کہ بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ایک مردار میں جو طبعی موت مرا ہو اور اس جانور میں جو کسی چوٹ یا کسی حادثہ کا شکار ہو کر اچانک مر گیا ہو، کچھ فرق ہونا چاہیے چنانچہ اس شبہے کو اس زمانے میں بھی بعض لوگ پیش کرتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ تو اسی کو بہانہ بنا کر گردن مروڑی ہوئی مرغی کو بھی جائز کر بیٹھے۔ قرآن کی اس تفصیل نے اس شبہے کو صاف کر دیا۔

تھان، استھان اور مزارات پر قربانی کی ممانعت

'وما ذبح علی النصب' 'نُصُب' تھان اور استھان کو کہتے ہیں۔ عرب میں ایسے تھان اور استھان بے شمار تھے جہاں دیویوں، دیوتاؤں، بھوتوں، جنوں کی خوشنودی کے لئے قربانیاں کی جاتی تھیں قرآن نے اس قسم کے ذبیحے بھی حرام قرار دیے۔ قرآن کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ ان کے اندر حرمت مجرد بارادۂ تقرب و خوشنودی استھانوں پر ذبح کیے جانے ہی سے پیدا ہو جاتی ہے اس سے بحث نہیں کہ ان پر نام اللہ کا لیا گیا ہے یا کسی غیر اللہ کا۔ اگر غیر اللہ کا نام لینے کے سبب سے ان کو حرمت لاحق ہوتی تو ان کے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اوپر 'وما اُھل لغیر اللہ بہ' کا ذکر گزر چکا ہے، وہ کافی ہے۔ ہمارے نزدیک اسی حکم میں وہ قربانیاں بھی داخل ہیں جو مزاروں اور قبروں پر پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں بھی صاحب مزار اور صاحب قبر کی خوشنودی مدنظر ہوتی ہے۔ ذبح کے وقت نام چاہے اللہ کا لیا جائے یا صاحب قبر و مزار کا، ان کی حرمت میں

دخل نام کو نہیں بلکہ مقام کو حاصل ہے۔

استقسام بالازلام کی حرمت

'وان تستقسموا بالازلام' استقسام کے معنی حصہ یا قسمت یا تقدیر معلوم کرنا ہے۔ 'ازلام' جوئے یا فال کے تیروں کو کہتے ہیں۔ عرب میں فال کے تیروں کا بھی رواج تھا جن کے ذریعے سے وہ اپنے زعم کے مطابق غیب کے فیصلے معلوم کرتے تھے اور جوئے کے تیروں کا بھی رواج تھا جن کے ذریعے سے وہ گوشت کے حصے حاصل کرتے تھے۔ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں خمر و میسر کے تحت بیان کر آئے ہیں کہ عرب شراب نوشی کی مجلسیں منعقد کرتے، شراب کے نشے میں جس کا اونٹ چاہتے ذبح کر دیتے، مالک کو منہ مانگے دام دے کر راضی کر لیتے پھر اس کے گوشت پر جوا کھیلتے گوشت کی جو ڈھیریاں جیتتے جاتے ان کو بھونتے، کھاتے، کھلاتے اور شرابیں پیتے اور بسا اوقات اسی شغل بدمستی میں ایسے ایسے جھگڑے کھڑے کر لیتے کہ قبیلے کے قبیلے برسوں کے لئے آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے اور سینکڑوں جانیں اس کی نذر ہو جاتیں ـــــ مجھے خیال ہوتا ہے کہ یہاں استقسام بالازلام سے یہی دوسری صورت مراد ہے۔

'ذلکم فسق' ذلکم کا اشارہ اوپر ذکر کی ہوئی تمام چیزوں کی طرف ہے اور 'فسق' کا لفظ یہاں عام فقہی مفہوم میں نہیں ہے بلکہ قرآنی مفہوم میں ہے۔ قرآن میں یہ لفظ کھلی ہوئی نافرمانی، سرکشی کفر اور شرک سب کی تعبیر کے لئے آیا ہے۔ ابلیس کے متعلق ہے ففسق عن امر ربہ۔

کفار سے معاشرتی انقطاع کا اعلان

'الیوم یئس الذین کفروا من دینکم الآیہ' 'الیوم' سے مراد کوئی معین دن نہیں ہے بلکہ وہ زمانہ ہے جس میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ ہم تمہید میں اشارہ کر آئے ہیں کہ یہ سورہ تمام تر اسلام کے تکمیلی دور کے احکام و ہدایات پر مشتمل ہے۔ کفار کے اس دین سے مایوس ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب تک تو وہ اس طمع خام میں مبتلا رہے ہیں کہ وہ اس کو یا تو مغلوب کر لیں گے یا کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر کوئی ایسا سمجھوتہ کر لیں گے کہ دونوں کا نباہ ہو سکے لیکن اب ان کی اس طمع خام کا خاتمہ ہو گیا اب انہوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دونوں راہیں ایک دوسری سے اس طرح الگ الگ ہو گئی ہیں کہ اب ان کا کسی نقطۂ اتصال پر جمع ہونا بالکل ناممکن ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کے اشتراک کو معاشرتی ارتباط میں بڑا دخل ہوتا ہے اگر صورت یہ پیدا ہو جائے کہ ایک کے ہاں جو چیزیں حلال و طیب ہوں دوسرے کے ہاں وہ خبیث و حرام قرار دے دی جائیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں مکمل معاشرتی انقطاع کا اعلان ہو گیا اور اب ان دونوں کے مل بیٹھنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے۔ قدرتی طور پر اس چیز نے ان کو اسلام اور مسلمانوں سے آخری

درجے میں مایوس کر دیا۔ آخری مایوسی سے بعض مرتبہ آخری جھلاہٹ بھی پیدا ہوتی ہے لیکن یہ مریض کا آخری سنبھالا ہوتی ہے جس کے بعد آخری ہچکی کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی اس وجہ سے قرآن نے فرمایا کہ اب ان سے اندیشہ ناک ہونے کی ضرورت نہیں ہے اب وہ زور لگائیں بھی تو ان میں دم کیا ہے۔ اب تم صرف مجھی سے ڈرو۔ ان کی کوئی پروا نہ کرو۔

تکمیل دین اور اتمام نعمت

'الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الآیۃ' تکمیل دین سے مراد اصل دین کی تکمیل ہے اور اتمام نعمت سے مراد اس آخری شریعت کا اتمام ہے جہاں تک اصل دین کا تعلق ہے اس کا آغاز تو حضرت آدم سے ہوا ہے۔ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ، حالات اور حکمت الٰہی کے تقاضوں کے مطابق، مختلف انبیاء و رسل پر یہ اترتا رہا یہاں تک کہ خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کامل ہو گیا۔ اس سے پہلے جو دین آئے وہ اسی دین کے اجزاء تھے۔ ان کی حیثیت پورے دین کی نہیں تھی، پورے دین کی حیثیت صرف اسی دین کو حاصل ہے۔ اس حقیقت کے اشارات پچھلے آسمانی صحیفوں میں موجود ہیں جن کے حوالے اس کتاب میں بھی گزر چکے ہیں ــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی اور اس قصر دین کے کونے کی آخری اینٹ ہیں۔

جہاں تک اس آخری امت پر اللہ کی نعمت کا تعلق ہے اس کا آغاز غار حرا کی پہلی وحی سے ہوا اور درجہ بدرجہ ۲۳ سال کی مدت میں اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا اتمام فرمایا چنانچہ اس مرحلے میں آ کر ایک طرف اللہ کا دین بھی اپنے کمال کو پہنچ گیا اور دوسری طرف اس امت پر اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی پوری ہو گئی۔ اسی کا مجموعی نام اسلام ہے جو ہمیشہ سے اللہ کا دین ہے اور جو حضرت ابراہیم ؑ و حضرت اسمٰعیل ؑ کی وراثت کی حیثیت سے نبی امیؐ اور ان کی امت کو منتقل ہوا۔ 'ورضیت لکم الاسلام دینا' میں اس دین کے لئے اللہ تعالیٰ کی اس پسندیدگی اور انتخاب کا اظہار ہے جس کے وجوہ و دلائل تفصیل کے ساتھ بقرہ اور آل عمران میں گزر چکے ہیں۔ اسی پسندیدگی کے اظہار سے بالواسطہ یہودیت اور نصرانیت کے لئے ناپسندیدگی کا اظہار بھی ہو گیا کہ وہ اللہ کا دین نہیں بلکہ دین سے انحراف کی مختلف شکلیں ہیں۔

اضطرار کی حالت میں

'فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم'، 'مخمصۃ' کے معنی بھوک کے ہیں۔ بھوک سے مضطر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی بھوک کی ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے کہ موت یا حرام میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے سوا کوئی اور راہ بظاہر کھلی ہوئی باقی ہی نہ رہ جائے۔ ایسی حالت میں اس کو اجازت ہے کہ حرام چیزوں میں سے بھی کسی چیز سے فائدہ اٹھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے

اس کے ساتھ 'غیر متجانف' کی قید اسی مضمون کو ظاہر کر رہی جو دوسرے مقام میں 'غیر باغ ولا عاد' سے ادا ہوا ہے۔ یعنی نہ تو دل سے چاہنے والا بنے اور نہ سد رمق کی حد سے آگے بڑھنے والا۔ 'مخمصۃ' کی قید سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ جہاں دوسرے غذائی بدل موجود ہوں وہاں مجرد اس عذر پر کہ شرعی ذبیحہ کا گوشت میسر نہیں آتا، جیسا کہ یورپ اور امریکہ کے اکثر ملکوں کا حال ہے، ناجائز کو جائز بنا لینے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ اس لئے کہ گوشت زندگی کے بقا کے لئے ناگزیر نہیں ہے۔ دوسری غذاؤں سے نہ صرف زندگی بلکہ صحت بھی نہایت اعلیٰ معیار پر قائم رکھی جا سکتی ہے 'غیر متجانف لاثم' کی قید اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے کہ رخصت بہرحال رخصت ہے اور حرام بہرشکل حرام ہے، نہ کوئی حرام چیز طیب و طاہر بن سکتی نہ رخصت کوئی ابدی پروانہ ہے۔ اس وجہ سے یہ بات کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ دفع اضطرار کی حد سے آگے بڑھے۔ اگر ان پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی شخص کسی حرام سے اپنی زندگی بچائے گا تو اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے اور اگر اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اپنے حظ نفس کی راہیں کھولے گا تو اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے، یہ اجازت اس کے لئے قیامت کے دن عذرخواہ نہیں بنے گی۔

اجزاء کی وضاحت کے بعد آیت کے مجموعی نظام پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے یہ ان حرمتوں کی تفصیل یہاں ہو رہی ہے جن کا پہلی آیت میں 'الا ما یتلیٰ علیکم' کے الفاظ سے حوالہ دیا گیا تھا اس میں پہلے ان چیزوں کا ذکر ہوا جن کی حرمت پہلے بھی بیان ہو چکی تھی، مزید تاکید اور تکمیل بحث کے طور پر ان کا یہاں بھی اعادہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد 'میتۃ' کی تفصیل فرمائی کہ جس طرح طبعی موت سے مرا ہوا جانور مردار ہے اسی طرح ناگہانی اور اتفاقی حوادث سے مرے ہوئے جانور بھی مردار ہیں دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اسی طرح کسی درندے کا پھاڑا ہوا جانور بھی مردار ہے الا آنکہ تم نے اس کو زندہ پایا ہو اور ذبح کر لیا ہو اسی طرح کسی استھان پر بھینٹ کی ہوئی قربانی اور جوئے کے ذریعے سے تقسیم کیا ہوا گوشت بھی حرام ہے۔ جس طرح غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو شرک کی آلودگی سے حرمت لاحق ہو جاتی ہے اسی طرح غیر اللہ کی خوشنودی اور جوئے کے گوشت سے ان چیزوں کو حرمت لاحق ہو جاتی ہے حرمتوں کا یہ اعلان چونکہ کفار سے کامل معاشرتی انقطاع کے اعلان کے مترادف تھا۔ اس وجہ سے فرمایا کہ اب کفار تم سے اور تمہارے دین سے مایوس ہو چکے۔ اب ان کے اندر یہ دم خم باقی نہیں رہا کہ تمہارے دین کو مغلوب کرنے یا اس کو کچھ نرم بنانے کا حوصلہ کریں۔ اب اگر وہ کچھ کریں گے بھی تو وہ ان کی مایوسی کا مظاہرہ ہوگا تو تم اس کی پروا نہ کرنا صرف میری ہی پروا کرنا اس کے بعد مسلمانوں کو بشارت دی

بقیہ [illegible] پر

مقالات
پروفیسر مرزا محمد منور

قرآن حکیم کا ادبی مقام

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی مشہور تصنیف "فی الادب الجاہلی" میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ لفظ ادب کیونکر معرض وجود میں آیا، کس طرح یہ پسندیدہ اخلاق و عادات کے مفہوم کا حامل بنا اور پھر کیونکر اسے فنی تحریروں کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا۔ یہ بحث طویل ہے۔ مختصراً یہ کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین قدیم و جدید اہل ادب و نقد کے بیانات کی روشنی میں یہ فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ تحریر کے ضمن میں ادب کا مطلب ہے، پسندیدہ نظم و نثر۔

ظاہر ہے کہ نظم و نثر کی پسندیدگی کی بنیادی دو وجوہات فصاحت اور بلاغت ہیں۔ فصاحت کا لفظی معنی ہے ظاہر و عیاں ہونا، جب صبح پوری طرح روشن ہو جائے تو کہا جاتا ہے "أَفْصَحَ الصُّبْحُ" ——— مگر اصطلاحی معنوں میں علامہ السیوطی فصاحت کی تعبیر یوں کرتے ہیں

"عِبَارَةٌ عَنِ الْالفاظ البَيِّنَةِ الظاهرةِ المتبادرة الى الفهم والمأنوسة الاستعمال"

یعنی واضح اور عیاں الفاظ جو ذہن میں اترتے چلے جائیں اور جو مانوس الاستعمال ہوں۔

امام فخرالدین رازی کا قول ہے۔

"اِنَّ الفصاحة خلوص الكلام من التعقيد"

یعنی کلام کے تعقید[1] سے پاک ہونے کا نام فصاحت ہے۔

رہی بلاغت تو ابن ہلال العسکری کی رائے میں

"اِنَّمَا هِيَ اِنْهَاءُ المعنى فى القلب"

یعنی مفہوم کو دل تک پہنچانے کا نام بلاغت ہے۔ بلوغ کا معنی ہے پہنچنا، ابلاغ کا پہنچانا۔

ابن المعتز کا قول ہے۔

البلاغة البلوغ الى المعنى ولم يطل سفر الكلام

[1] الفاظ کا آگے پیچھے ہونا جن کے معانی کے سمجھنے میں دقت ہو نیز الفاظ کا اصل معنی کی جگہ دوسرے معانی میں ایسا استعمال کہ مفہوم تک رسائی بسرعت ممکن نہ رہے۔

مفہوم تک اس طرح رسائی حاصل کرنا کہ کلام کی راہ لمبی نہ ہو۔ ابو ہلال العسکری اس امر پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ:

الفصاحة آلة البيان مقصورة على اللفظ والبلاغة انما هى انهاء المعنى الى القلب فكأنها مقصورة على المعنى۔

یعنی فصاحت آلۂ بیان ہے۔ اس کا واسطہ الفاظ سے ہے اور چونکہ بلاغت مفہوم کو دل تک پہنچانے کو کہتے ہیں لہٰذا اس کا واسطہ معانی سے ہے۔

لیکن کسی تحریر کا مجموعی اثر اور جادو نہ فصاحت کے دامن میں سماتا ہے نہ بلاغت کے دام میں آتا ہے۔ حسن تجزیے سے ورا ہے۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے

شَيْئٌ بِهِ فُتِنَ الورى غير الذى ——— يُدعى الجمال ولَسْتُ ادرى ما هو!

(وہ شے جو لوگوں کے دلوں کو موہ لیتی ہے اس چیز سے جدا ہے جسے جمال کہا جاتا ہے مگر وہ کیا ہے میں نہیں جان پاتا)

جب عربوں نے پہلی بار قرآن سنا تو وہ اسی تحیر میں مبتلا ہو گئے۔ عُتبہ بن ربیعہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سورۂ فصلت (حٰمٓ السجدۃ) سنی۔ جب وہ اپنے ہمجولیوں کے پاس واپس گیا تو انہوں نے پوچھا بتاؤ کیا سنا؟ اس نے کہا "اِنّی سمعتُ قولاً ما سمعت مثله قط واللّٰه ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالكهانة" "میں نے وہ بات سنی ہے جو کبھی نہ سنی تھی۔ خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے نہ سحر ہے، نہ کہانت ہے"۔ لیکن ولید بن المغیرہ نے اسے کوئی سحر قدیم قرار دیا اور پھر کہا کہ یہ تو آدمی ہی کا کلام ہے۔ "اِنْ هٰذا الا سحرٌ يؤثر ان هٰذا الا قول البشر"!

تاہم کوئی چیز تھی جو عام بول چال کی زبان سے بھی مختلف تھی، شعر سے بھی اس کا کوئی تعلق نہ تھا اور کاہنوں کی مسجع گفتگو سے بھی اس کو کوئی واسطہ نہ تھا ——— سننے والے متحیر رہ گئے۔ جنہیں دل آئینہ روشن ملا تھا انہوں نے حقیقت حال کا نظارہ کر لیا۔ جن کا آئینۂ دل دھندلا تھا وہ الجھ کر رہ گئے۔ ان میں سے بعض نے کہا "ہم بھی اگر چاہیں تو اس طرح کی بات کہہ سکتے ہیں"۔ قرآنی الفاظ میں یوں کہ "لو نشاء لقلنا مثل هٰذا" جس کا جواب یہ ملا کہ "فاتوا بسورة من مثله" قرآن کی سورہ جیسی کوئی شے پیش کرو مگر یہ امر کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔

اسلام کا پہلا آزاد خیال اور مفکر گروہ معتزلہ کا تھا، ان کے سرگروہ واصل بن عطا اور اس کے

شاگرد ابراہیم بن سیار النظام کا خیال تھا کہ قرآنی الفاظ چونکہ وہی ہیں جو عام مروج ہیں لہٰذا لوگ اس قسم کی عبارت پر قادر ہیں بلکہ اس سے بہتر ترتیب کے ساتھ عبارت پیش کر سکتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ خدا لوگوں کو اس سے باز رکھتا ہے اجازت و توفیق نہیں دیتا — وَلَوْلَا الصَّرْفَةُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا — مگر الجاحظ جو تیسری صدی ہجری کے چوٹی کے عالم، ادیب اور ناقد تھے اور پھر یہ کہ خود معتزلی تھے اپنی کتاب "نظم القرآن واسلوبہ" میں لکھتے ہیں کہ ہماری الہامی کتاب کے محتویات اس امر پہ دلالت کرتے ہیں کہ وہ معنی برصداقت ہے اور اس کی ترتیب بدیع ایسی ہے کہ اولادِ آدم اس جیسی کوئی شے پیش کرنے پر قادر نہیں۔ الرمانی اپنی تصنیف "النکت فی اعجاز القرآن" میں لکھتے ہیں

اَنَّ القرآن مُعْجِزٌ بالفاظہٖ واسلوبہٖ ونظمہٖ ولشرہٖ فی النفوس

یعنی قرآن اپنے الفاظ، اسلوب، ترتیب اور دلوں پر اثر اندازی غرض ہر معاملے میں عاجز کر کے رکھ دیتا ہے۔

امام باقلانی "اعجاز القرآن" میں فرماتے ہیں اَنَّ اسلوب القرآن خاصٌّ بِهٖ ولا یشارکه فیه غیرہ کما انه خارج من الاسالیب المعروفة — قرآن کا اسلوب اسی سے مخصوص ہے اس معاملے میں کوئی اور تحریر اس کا سامنا نہیں کر سکتی۔ قرآنی اسلوب جملہ معروف اسلوبوں سے مختلف ہے — ظاہر ہے کہ قرآن نثر مرسل نہیں، نثر غیر موزوں و مقفیٰ نہیں، کلام موزوں و مقفیٰ بھی نہیں مسجع بھی نہیں، اس میں کسی ایک طرز کی پابندی نہیں، ہر شے کے نمونے موجود مگر مجموعی اسلوب بالکل نیا، اور بہرحال نیا۔ جو لوگ عربی زبان کا ذرا سا بھی ذوق رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ عربی کی حسین سے حسین عبارت میں خواہ وہ الجاحظ، ابو الفرج اصفہانی، ابن خلدون، ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور المنفلوطی کی تحریر ہو یا کسی اور صاحب طرز مصنف کی، جا بجا قرآن کی کہیں سے دو سطریں بلکہ ایک ہی سطر شامل کر دیجئے، حافظِ قرآن ہونا ضروری نہیں، عربی زبان سے لگاؤ لازم ہے اس قرآنی سطر پر پہنچ کر آپ ضرور محسوس کریں گے کہ یہ کوئی اور شے ہے — ظاہری الفاظ تو عموماً وہی عام مروج الفاظ ہیں مگر ان کا دروبست، ان کا مضمون، ان کا لہجہ، ان کا آہنگ اور طرزِ ادا جدا ہے اور تو اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خطبات محفوظ ہیں مثلاً خطبہ حجۃ الوداع۔ بعض مکتوب بھی محفوظ ہیں، احادیث کا بہت سا ذخیرہ موجود ہے اس ذخیرے میں یقیناً بہت سے جملے وہ ہوں گے جو حضور کی زبان سے ہو بہو اسی طرح ادا اور عطا ہوئے تھے مگر قرآن کی عبارات میں کوئی حدیث بھی نہیں کھپ سکتی، قرآن بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبانی پہنچا تھا اور

آپ کے اپنے ارشادات بھی آپ ہی کی زبانی روح افزائی فرماتے تھے اس کے باوصف آپ کا اپنا قول قرآن سے اسلوباً مختلف اور متمایز ہے، کہیں بھی ایسا اختلاط ممکن نہیں کہ شناخت نہ ہو سکے۔ یہ بات عربوں کے لئے اور خاص طور پر قریشی اہل زبان کے لئے واقعی باعثِ تعجب تھی کہ ایک شخص کی روزمرہ کی اپنی گفتگو جو بذات خود شیریں، جامع اور دلنشیں ہوتی تھی اس زبان سے بالکل الگ رہی جیسے قرآن پیش کرتا تھا۔ ایک ہی زبان سے نکلنے والے الفاظ ایک خاص حالت میں کیا بن جاتے تھے اور کیوں، یہ امر ایک اچنبھا تھا — چنانچہ وہ لوگ مجبور تھے بات سمجھ میں نہ آتی تھی حیران کن ضرور تھی۔ پھر آخر وہ کیا کرتے۔ کبھی نبی اکرمؐ کو شاعر کہہ کر جان چھڑاتے اور کبھی ساحر و کاہن قرار دے کر اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کرتے۔

غرضیکہ قرآن کا اسلوب خالص قرآنی ہے۔ کسی عام معروف اسلوب کا حکم اس پر نہیں لگایا جا سکتا اسی طرح جیسے ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں اسلامی نظام کا دوسرے مختلف نظاموں سے مقابلہ کر کے کہتے ہیں کہ اسلامی نظام پر کسی بھی قدیم و جدید نظام کا اطلاق نہیں ہوتا، اسلامی نظام بس اسلامی نظام ہے جو ہر نظام سے منفرد ہے باوصف اس کے کہ اس میں ہر نظام کا مفید پہلو موجود ہے۔

عربوں نے سحبان وائل جیسے خطبار کو سن رکھا تھا، کاہنوں کی مسجع گفتگو سے آگاہ تھے۔ عہد جاہلیت کے اکابر شعرا کا کلام گوش آشنا تھا۔ مگر قرآن آیا تو چیزے دیگری تھا۔ خود حضرت لبیدؓ قرآن کے سامنے گنگ رہ گئے۔ حالانکہ ان کا قصیدہ "عفت الدیار محلها فمقامها" اپنے طرزِ بیان کی رو سے تمام چوٹی کے شعرا کے بہترین قصائد سے منفرد تھا۔ اس کا قافیہ سب سے مشکل تھا اور آہنگ نرالا ...... منقول ہے کہ شعراء، خطباء اور دیگر اکابر زبان جو اس قصیدے کو سن رہے تھے برائے تحسین سجدہ ریز ہو گئے، وہی لبیدؓ اسلوبِ قرآنی سے یوں مرعوب ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد بہت کم شعر کہے، اور اگر کوئی بالاصرار فرمائش کرتا کہ کچھ تو کہیے تو جواب دیتے قرآن کے بعد کیا کہا جا سکتا ہے۔

یوں تو مسیلمہ کذاب نے بھی قرآن کا جواب لکھنے کی کوشش کی تھی اس کے قرآن کی بعض سطور بعض قدیم کتب ادب و سیرت و تفسیر میں منقول ہیں۔ مگر چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک وہ لوگ بھی کہ اسلام سے برگشتہ ہو رہے تھے یا جو اسلام نہ لائے تھے بغض اسلام کے باعث بھی مسیلمہ کے کلام کو درخورِ اعتنا نہ جان سکے۔ چوتھی صدی ہجری میں ابوالعلاء المعری نے بھی ایک ایسی

ہی کوشش کی تھی، وہ وسیع بر گرد ون رواۃ ۔۔۔ معری نابغۂ روزگار تھے۔ بڑے ہی نادر الکلام۔ ان کے معاصرین نے بیان کیا ہے عربی زبان کا کوئی کلمہ جو بولا یا لکھا جاتا تھا ایسا نہ تھا جس سے معری آگاہ نہ ہوں ۔۔۔ اس کے باوصف جب انہوں نے اپنے صحیفے میں سے کچھ آیات احباب کو سنائیں تو وہ بولے اس میں وہ سلاست وروانی نہیں۔ معری کہنے لگے اگر تین سو سال یہ کلام بھی منبر و محراب سے رگڑ کھائے تو سلیس و رواں ہو جائے۔ ۔۔۔ مگر معری کا صحیفہ شاید خود معری سے بھی پہلے صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

عربوں کو زبان پر ناز تھا، اور جو لوگ جس قدر دور صحراؤں کے اندر آباد تھے ان کی زبان کو اتنا ہی خالص جانا جاتا تھا۔ چنانچہ سینکڑوں سال تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ عرب ادباء اور بالخصوص ماہرین السنۂ عرب۔ الفاظ ان کے معانی اور محل استعمال کی تصدیق کے لئے صحراؤں اور ریگستانوں میں اونٹ دوڑاتے پھرے، اس کے باوصف ہر وہ کلمہ جو قرآن میں تھا وہ اپنے ہر خارج از قرآن مترادف سے فصیح تر اور بلیغ تر رہا۔ صرف و نحو کے معاملے میں بھی قرآن کا بیان ناطق رہا چنانچہ یہ کبھی نہ ہو سکا کہ عرب اہل زبان یا زبان دان قواعد زبان کا اطلاق قرآن پر کرتے، انہوں نے ہمیشہ قرآن کا اطلاق قواعد پر کیا۔ حجت و برہان قرآن تھا۔ نہ کہ کسی صاحب زبان کا بیان یا قواعد صرف و نحو۔ تاحال یہی حال ہے۔

حق یہ ہے کہ عربی زبان کے لئے قرآن وہ روشنی کا مینار بن گیا کہ اگر وہ راہ سے ادھر ادھر ہوئے بھی تو جب بھی ایک نصب العین کتاب جو اعجازی بیان و زبان کی مالک ہے ان کے حد ادب میں رکھتی ہے۔ عربی زبان کے ادب کا کینڈا نہیں بدلا۔ آج سے پندرہ سو سال کا امرؤ القیس کا کلام اور دور حاضر کا ادبی کلام آپس میں ابنائے اعمام ہیں بیگانے نہیں۔ ورنہ مرور زمانہ سے زبانوں کا مزاج بدلتا رہتا ہے ۔۔۔ اگر یہ کہا جائے کہ عربی زبان قرآن کی محافظ نہیں بلکہ قرآن عربی زبان کا محافظ ہے تو بیجا نہ ہوگا۔

عربی ادب کا اتنا بڑا مجموعہ جو سب سے قبل کتابی صورت میں منصۂ شہود پر آیا وہ قرآن تھا وہی اول بھی تھا اور اعلیٰ بھی ۔۔۔ باقی جو کچھ قرآن کی تشریح و تفہیم کی خاطر وجود میں آتا رہا وہ بجائے خود ایک گراں بہا ادبی خزینہ ہے جس کے جواہر کا شمار ناممکن ہے۔

قرآن کو پڑھنے اور سننے والے عرب مرعوب ہو کر رہ گئے۔ آخر ہمت کر کے انہوں نے اسلوب قرآنی کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا یعنی ادب کے جو جو محسنات ان کی سمجھ میں آتے گئے

وہ ان کی تلاش قرآن میں کرتے رہے، اور انہیں بہترین نمونہ قرآن ہی میں میسر ملا۔ ایسی کوششیں دوسری صدی ہجری میں شروع ہو گئی تھیں، اس ضمن میں وہ لوگ بھی لائق ذکر ہیں جنہوں نے ادبی نقطۂ نظر کو سامنے رکھا اور محسنات ادب سے بحث کی مگر اس بحث میں قدم قدم پر قرآن سے استفادہ کیا وہ اہل ادب میں شامل ہیں جنہوں نے بعض کتب محسنات قرآن کے لئے مخصوص کر دیں نیز وہ مفسر بھی شامل ہیں جنہوں نے تفسیر قرآن میں الفاظ کی صرف صرفی نحوی خوبی پر ہی نہیں بلکہ اس کے ادبی محاسن پر بھی ساتھ کے ساتھ روشنی ڈال دی۔

پہلے گروہ میں ابن المعتز متوفی ۲۹۶ھ مصنف کتاب البدیع، قدامۃ ابن جعفر متوفی ۳۳۷ھ مصنف کتاب نقد الشعر، ابن ہلال العسکری متوفی ۳۹۵ھ مصنف کتاب الصناعتین ابن رشیق متوفی ۴۶۳ھ مصنف کتاب العمدہ، ابن سنان الخفاجی متوفی ۴۶۶ھ مصنف سر الفصاحت عبد القاہر الجرجانی متوفی ۴۷۱ھ مصنف اسرار البلاغۃ، السکاکی متوفی ۶۲۶ھ مصنف مفتاح العلوم اور ضیاء الدین ابن الاثیر متوفی ۶۳۷ھ مصنف مثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر خصوصی اہمیت کے مالک ہیں۔ ان میں وہ لوگ شامل نہیں جو زبان یا صرف و نحو کے امام گنے جاتے ہیں جیسے المبرد، ابو العلاء، الشالبی، حریری وغیرہ کے حلقوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

وہ اہل قلم جنہوں نے قرآنی محسنات پر مستقل کتابیں لکھیں ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں۔ الفراء متوفی ۲۰۷ھ مصنف معانی القرآن، ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ متوفی ۲۰۹ھ مصنف مجاز القرآن، الجاحظ متوفی ۲۵۵ھ مصنف نظم القرآن و اسلوبہ، ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ مصنف تاویل مشکل القرآن، الرمانی متوفی ۳۸۶ھ مصنف النکت فی اعجاز القرآن، محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی متوفی ۳۸۸ھ مصنف بیان اعجاز القرآن، محمد بن طیب الباقلانی متوفی ۴۰۳ھ مصنف اعجاز القرآن، الشریف الرضی متوفی ۴۰۶ھ مصنف تلخیص والبیان، عبد القاہر الجرجانی متوفی ۴۷۱ھ مصنف دلائل الاعجاز، فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ مصنف نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز، ابن ابی الاصبع متوفی ۶۵۴ھ مصنف بدیع القرآن ۔۔۔ اس گروہ میں الدوسی، الیزیدی، الجبی، الاصمعی، الاخفش، الفروابی، الزجاج، ابو علی الفارسی، ابو جعفر النحاس اور قطرب کے علاوہ خدا جانے اور کون کون اماں زبان و بیان شامل ہیں۔

اسی طرح وہ مفسر جو تفسیر کے ساتھ ساتھ قرآنی صنائع بدائع سے بھی بحث کرتے اور قرآن کے ادبی محاسن پر بھی روشنی ڈالتے رہے بہت سے تھے، ان میں سے مندرجہ ذیل خصوصی شہرت کے مالک رہے

ہیں۔ الفراء متوفی ۲۰۷ھ مصنف معانی القرآن ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ کی کتاب مجاز القرآن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ بعض اہل نقد کی رائے میں یہ کتاب کتبِ تفسیر میں شامل کی جانی چاہیئے۔ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ان کے بارے میں منقول ہے کہ ایک طرح سے انہی نے قرآنی تفسیر میں فصاحت و بلاغت قرآنی پر بہت زیادہ زور دے کر آئندہ آنے والے مفسرین کے لئے راستہ کشادہ کر دیا خصوصاً زمخشری متوفی ۵۳۸ھ مصنف کشاف کے لئے۔ اس ذیل میں سب سے زیادہ شہرت امام فخر الدین رازی کو حاصل ہوئی۔ ان کی تفسیر "الکبیر" کہلاتی ہے۔

قرآن کے فنی محاسن کی تشریح و تفسیر کا سلسلہ تا عہد حال ختم نہیں ہوا۔ خود ہمارے دور میں محمد زغلول کی کتاب اثر القرآن فی تطور النقد العربی، سید قطب مرحوم کی کتاب التصویر الفنی فی القرآن محمد احمد خلف اللہ کی کتاب فن القصص فی القرآن وغیرہ لکھی جا رہی ہیں۔

الفاظ اور الفاظ میں فرق ہے۔ خر مہرہ اور گوہر ایک شے نہیں۔ چنانچہ عرب فصحاء، عمرو اور مطر (بارش) کے مقابل بعاق کو منہ نہ لگاتے تھے۔ خمر کے مقابل اسفنط، سیف کے مقابل خنشلیل، اسد کے مقابل عدوکس، مفریہ (بے مثال) کے مقابل جحیش، فخر کے مقابل جفخ کی کوئی حیثیت نہ جانتے تھے قرآن میں انہوں نے دیکھا کہ کوئی کلمہ ایسا نہیں جسے عہد جاہلیت و اسلام کے فصحائے ترین فصاحت بلکہ ترزمین فصاحت نہ جانا ہو اور تو اور بعض کلمات وہ کلمات بھی جو خود عرب فصحا نے بے روک ٹوک استعمال کئے قرآن نے انہیں اپنے حسنِ بیان کے لئے کم عیار پایا، مثلاً زوجہ کی جگہ قرآن میں ہمیشہ زوج آیا۔ ھذا عدو لک ولزوجک، بین المرء وزوجہ ——— اسی طرح ابصار کا کلمہ بصر کی جمع ہو کر آیا مگر سمع کی جمع اسماع کو فصاحتِ قرآنی نے گوارا نہ کیا، سماوات آیا مگر ارضین کبھی نہ آیا، فقط ارض آیا ——— آہنگ کا اس قدر اہتمام ہے اور وہ بھی پوری سادگی و سلاست کے ساتھ کہ بعض اوقات الفاظ کے حلیے مزید سنوار گئے۔ واللہ اعلم بما یوعون ۔ اپنے سیاق میں نگین کی طرح موزوں بیٹھ گیا، حالانکہ اصل صیغہ "یعون" تھا ——— غرضیکہ جو لفظ بھی آیا ترشا ترشایا موتی ———

ازاں بعد الفاظ کا جوڑ میل سب سے زیادہ لائق توجہ تھا۔ اس میں تنافر و تعقید سب سے بڑے دشمن فصاحت ہیں۔ مگر پورے قرآن میں کوئی آیت بھی تو ایسی نہیں جو زبان پر ثقیل ہو جس کو زبان بیان کرتے وقت غوطہ کھائے، جہاں مخارج ٹکرائیں ——— اور پھر لطف یہ کہ ہر طرح کے موضوع بیان ہوئے۔ کہیں بیان وضاحتی ہے، کہیں انتباہی، کہیں تنبیہی، کہیں تلقینی ———

بقیہ بر صفحہ ۵۶

مقالات

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف

کی اشاعت کے اسباب

(۲)

چوتھی بحث

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں مسلمانوں میں تصوف کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے۔ قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کیا۔ یعنی تصوف کے لباس میں صوفیوں کو گمراہ کرنا شروع کیا۔ اور اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں اس غیر اسلامی تصوف کی بنیاد رکھ دی جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا اور اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں امتیاز کرنا عوام کے لئے ناممکن ہو گیا کیونکہ جاہل عوام ہر زمانے میں اور ہر ملک میں دین اسلام کی حقیقت سے بیگانہ رہے ہیں یعنی غیر اللہ کو دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا مانتے رہے ہیں اور آج بھی مانتے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ایران کے اکثر باشندوں نے اسلام کو صدق دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ قرامطہ نے جو غیر اسلامی عقائد، جن کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے، تصوف کے لباس میں ایرانیوں کے سامنے پیش کئے مثلاً حلول، اتحاد، تجسم، تناسخ وغیرہ وہ سب ایسے تھے جو قبل اسلام، ایران کے مختلف طبقوں میں مروج تھے اس لئے ان لوگوں نے ان عقائد کو بخوشی قبول کر لیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس مضمون سے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کر دیئے جائیں جو ایک غیر مسلم — اے، ای کرمسکی (KRYMSKY) نے تصوف کے ارتقاء پر لکھا تھا اور جسے حال میں اسلامک کوارٹرلی کے مدیر نے مجلۂ مذکور کی جلد ششم برائے سال ۱۹۶۱ء میں درج کیا ہے:-

"صوفی جماعت کے افراد اپنے آپ کو "سنت کا سچا محافظ" کہتے تھے[1] لیکن ایران میں یہ لقب

[1] دیکھو رسالہ قشیریہ ۱۲

ان لوگوں نے بھی اختیار کر لیا تھا جن کے عقائد اسلام سے اس قدر بعید تھے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کو جہنمی قرار دے دیتے۔

"یہ بات قابل غور ہے کہ جب ۲۶۴ھ میں عبداللہ ابن میمون القداح نے اسمٰعیلی فرقے کی اصلاح کی اور ان کو منظم کیا تو اس جماعت کے پوشیدہ طریق پر تبلیغ کرنے والوں کو نصیحت کی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملیں تو اپنے آپ کو صوفی ظاہر کریں تاکہ کسی کو ان پر شبہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ان جدید اسمٰعیلیوں نے ایران اور دوسرے ملکوں میں تصوف کو عوام میں بڑی حد تک مقبول بنا دیا لیکن اس خدمت کے معاوضے میں انہوں نے تصوف میں ایسے غیر اسلامی رجحانات اور عقائد داخل کر دیئے جن کا اظہار چوتھی صدی ہجری سے ہونا شروع ہو گیا۔"

(مجلہ اسلامک کوارٹرلی جلد ۱۶ شمارہ ۳، ۴ بابت جولائی و اکتوبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۰۵)

یہی مصنف اسی رسالے کے صفحہ ۱۰۸ کے حاشیے میں لکھتا ہے:-

"اسماعیلی دعاۃ نے جو پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان میں آئے، صوفیوں کا طریقہ اختیار کیا اور ہندوؤں سے کہا کہ حضرت علی رضؓ وشنو کے دسویں اوتار تھے۔ چنانچہ پیر صدرالدین نے اسی حکمت عملی سے کام لے کر بہت سے ہندوؤں کو اپنے مذہب کا پیرو بنایا"

بخوف طوالت نہ تو میں قرامطہ کی تاریخ اس کتاب میں درج کر سکتا ہوں اور نہ اس فتنہ و فساد کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں جو اس فرقے کے مبلغین نے دنیائے اسلام میں پھیلایا۔ میرا مطلب اس داستان سے صرف اس قدر ہے کہ میں ناظرین کو یہ بتا دوں کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف، جسے اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے، کس طرح شائع ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ایضاحِ مقصد کے لئے بالکل کافی ہے۔ اس فرقے کے افراد نے تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی جس طرح تبلیغ کی اور جس حکمت عملی سے کام لے کر تصوف کو سراسر غیر اسلامی بنا دیا اس کی مثالیں بیکتاشی سلسلے اور نوربخشی سلسلے کے صوفیوں کے عقائد سے بخوبی مل سکتی ہیں:-

بیکتاشی فرقہ

صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر جے کے برج (BIRGE) نے اپنی کتاب "درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ" میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ بخوفِ طوالت صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں۔

"اس سلسلے کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء میں خراسان (اسمٰعیلی دعاۃ کے مرکز)

سے اناطولیا میں آیا تھا اس نے ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء میں وفات پائی (ص ۳۵) ترکوں میں اس کے سلسلے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس سلسلے کے عقائد حسب ذیل ہیں:-

(۱) اللہ حقیقت واحدہ ہے۔

(۲) محمدؐ اور علیؓ دونوں اللہ کے مظاہرِ خاص ہیں۔

(۳) اللہ، محمدؐ اور علیؓ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے۔

(۴) محمدؐ اور علیؓ در حقیقت ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں۔ (ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳)

ان چار عقیدوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے کے صوفیوں کو اسلام سے کتنا تعلق تھا!

حضرت علیؓ کے بارے میں اس سلسلے کے صوفیوں کے جو عقائد ہیں اس کا اندازہ "خطبۃ البیان" سے ہو سکتا ہے جو اس سلسلے میں بہت معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں:-

۱۔ میرے پاس مفاتیح الغیب ہیں جن کو محمدؐ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا نیز عزرائیل (ملک الموت) میرا تابع فرمان ہے

۲۔ میں لوحِ محفوظ ہوں۔ میں حجۃ اللہ ہوں۔ میں حجۃ الانبیاء ہوں۔

۳۔ میں قسیم النار والجنت ہوں۔ میں اللہ کا دل ہوں۔ میں نوحِ اوّل ہوں۔

۴۔ میں ذوالقرنین ہوں۔ میں عالِم ماکان ومایکون ہوں۔ میں منشئ السحاب ہوں۔ میں مطرالانہار ہوں۔ میں قیومِ السماء ہوں (ص ۱۴۲ و ص ۱۴۳)

یہ کتاب ۱۹۳۷ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ مزید معلومات کے لئے ناظرین بطور خود اس کتاب کا مطالعہ کر لیں۔

نوربخشی سلسلہ

اس سلسلے کا تذکرہ پروفیسر محب الحسن نے اپنی تالیف "کشمیر زیرِ نگین سلاطین" میں (صفحات ۲۸۳ تا ۲۸۶) کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ نوربخشیہ فرقے کا بانی سید محمد بن عبداللہ تھا جو ۷۹۵ھ/۱۳۹۲ء میں تاعین (کوہستان) میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی میں خواجہ اسحٰق ختلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب امیر کبیر سید علی ہمدانی رحؒ کے خلیفہ تھے خواجہ اسحٰق نے سید محمد کو نوربخش کا لقب عطا کیا۔ نوربخش نے دعویٰ کیا کہ مجھے امام جعفر صادقؒ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے اس کی

تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔ اس سلسلے کے افراد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ لیکن نور بخش نے امام مہدی المنتظر ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا اس لئے شیعہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔

کشمیر میں اس سلسلے کو شمس الدین نے شائع کیا۔ یہ شخص اپنے وطن شولغان (ایران) سے چل کر پہلے ملتان آیا پھر ۱۵۰۱ء میں کشمیر پہنچا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بلتستان میں نور بخشی عقائد کی تبلیغ کی۔ پھر کشمیر واپس آیا اور کشمیر کے چک حکران خاندان کو شیعہ مسلک کا پیرو بنایا۔"

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرامطہ نے تصوف کے لباس میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور تصوف میں ایسے عقائد داخل کر دیئے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں، قرامطہ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا کہ "جیسا دیس ویسا بھیس" چنانچہ جب اُن کے دُعاۃ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندو صوفیوں اور جوگیوں اور پیروں کے طور طریقے اختیار کئے اور ہندوؤں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وشنو کے دسویں اوتار کے روپ میں پیش کیا۔ عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ناموں سے پہلے "پیر" کے لقب کا اضافہ کیا۔

پیر صدر الدین نے گجرات میں اور پیر شمس الدین نے ملتان میں تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی۔ اس بات کی تصدیق ڈاکٹر جے این ہالسٹر کی تالیف "شیعان ہند" سے بھی بخوبی ہو سکتی ہے۔ مصنف مذکور لکھتا ہے:۔

"اگرچہ صوفیوں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے مگر اسمٰعیلیہ فرقے نے اس اختلاف کو بہت کم کر دیا چنانچہ اسمٰعیلی پیروں نے صوفیہ کے طریقے اختیار کر لیے۔" (صفحہ ۲۸)

"فتح شاہ کے عہد حکومت میں، ۱۴۹۶ء میں شمس الدین اسمٰعیلی داعی کشمیر میں آیا اور اس کے ساتھ چک قبیلے کے افراد بھی واپس آ گئے جن کو فتنہ انگیزی کی پاداش میں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ یہ لوگ ابتدا میں آفتاب پرست تھے اور روشنائیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ بادشاہ نے شمس الدین کو تبلیغ کی اجازت دی اور اس نے چک قبیلے کے افراد کو نور بخشی سلسلے میں داخل کر لیا" صفحہ ۱۴۶

"نور بخشی سلسلے کے عقائد احوطہ نامی کتاب میں مندرج ہیں جو کفر اور الحاد کا مرکب ہیں نہ وہ عقائد شیعوں کے ہیں نہ سنیوں کے۔ یہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر طعن کرتے ہیں اس لئے

سُنّی نہیں ہو سکتے اور نور بخش کو مہدیٔ موعود یقین کرتے ہیں اس لئے شیعہ نہیں ہو سکتے (صفحہ ۱۴۸)

قرامطہ کا یہی طریق کار رہا کہ جس طرح ہو سکے خصوصاً تصوف کے پردے میں، مسلمانوں کے اندر الحاد اور بے دینی کی اشاعت کی جائے اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو گئے، یعنی انہوں نے تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے دلوں میں غیر اسلامی عقائد جاگزین کر دیئے۔ مؤلف مذکور اسی کتاب کے صفحہ ۳۲۳ پر لکھتا ہے:

"اسمٰعیلی سیدوں کا ایک قافلہ قاہرہ سے چل کر سبزوار آیا۔ پیر شمس الدین سبزواری یہیں سے ملتان آیا تھا اور اس نے صوفیوں کے لباس میں اسمٰعیلیت کی تبلیغ کی۔ بعض لوگوں نے شمس الدین سبزواری کو غلطی سے شمس تبریز سمجھ لیا ہے جو جلال الدین رومی کا مرشد تھا۔ پیر[1] شمس الدین جو اسمٰعیلیہ نزاریہ فرقے کا داعی تھا، ۱۲۹۶ء میں کشمیر آیا اور تقیہ کر کے اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں کے رنگ میں رنگین کر لیا چنانچہ ایک دن جبکہ ہندو دسہرے کی خوشی میں گربا رقص کر رہے تھے پیر صاحب بھی اس رقص میں شریک ہو گئے اور ۲۸ "گربا" گیت تصنیف فرمائے رفتہ رفتہ ہندو اُن سے مانوس ہو گئے اور انہوں نے بہت سے ہندوؤں کو امام الزماں حضرت قاسم شاہ نزاری کا پیرو بنا دیا۔ صفحہ ۳۵۳

کشمیر سے پیر[2] شمس الدین اُچ میں آیا جو ملتان سے اسی میل دور ہے روایت ہے کہ یہاں اُس نے ایک امیر آدمی کے مردہ بیٹے کو زندہ کر دیا جس کی وجہ سے عوام میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی چنانچہ اس نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے مرید شمسی کہلاتے ہیں اُس نے [illegible] میں وفات پائی" (صفحہ ۳۵۵)

"پیر صدر الدین اسمٰعیلی نزاری فرقے کا داعی بھی پیروں کے لباس میں ہندوستان آیا تھا اس نے ۱۴۳۰ء میں تبلیغ کا آغاز کیا اور قرامطہ کے اصول تبلیغ کے مطابق اس نے اپنا ہندوانی نام سہدیو رکھا اور پنجاب کے لوہانہ راجپوتوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا اس نے کہا کہ وشنو کا دسواں اوتار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے اس کے پیرو صوفیوں کی زبان میں محمد اور علی کی تعریف میں بھجن گایا کرتے تھے اُس نے اپنے مریدوں کے لئے

---

[1] یہ دوسرا پیر شمس الدین ہے۔ پہلا شمس الدین نور بخشی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا مزار ملتان میں ہے۔

[2] یہ تیسرا پیر شمس الدین ہے جس کا مزار اُچ میں ہے۔ ۱۲

وشم اوتار نامی کتاب لکھی، جو آج بھی اسمٰعیلی نزاری خوجوں کی نہایت مقدس مذہبی کتاب ہے۔
پیر صدرالدین نے اُچ میں وفات پائی۔ اس کے مزار پر ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے جو ترنڈا
گوریجہ میں واقع ہے، یہ قصبہ اُچ سے ۱۵ میل کے فاصلے پر ریاست بہاولپور میں واقع ہے"
(ص ۳۵۶ و ص ۳۵۷)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرامطہ نے صوفیوں اور پیروں کے لباس میں غیر اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور اس طرح غیر اسلامی تصوف عالمِ وجود میں آگیا جس میں تمام غیر اسلامی عقائد مثلاً تثلیث، تجسم، کفارہ، حلول، الوہیت علی رضہ، رجعت، بدا، اتحاد، تناسخ ارواح اور قدامتِ مادّہ وغیرہ داخل ہے۔ عوام بیچارے یہ سمجھے کہ یہی اصلی تصوف ہے جو قرامطہ صوفیوں کے لباس میں پیش کر رہے ہیں۔ رفقاللہ!

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف قرامطہ نے صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو غیر اسلامی تصوف سے مانوس کر دیا دوسری طرف مسلمان صوفیوں کی تصانیف میں نہایت چابکدستی کے ساتھ اپنے عقائد داخل کر دیئے۔ عربی میں اس کو تدسیس کہتے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر ص ۷ میں لکھا ہے کہ

"باطنیہ، ملاحدہ اور زنادقہ نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ، پھر امام غزالی رح کی تصانیف میں اپنی طرف سے تدسیس کی۔ نیز اس فرقہ باطنیہ نے ایک کتاب جس میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی تھی، میری زندگی میں میری طرف منسوب کر دی اور میری انتہائی کوشش کے باوجود یہ کتاب تین سال تک متداول رہی"

اس اقتباس سے ناظرین اس فرقہ کی دلیری، عیاری اور معاندانہ سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر استقصار کیا جائے تو اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے، مگر میں چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں:-

۱۔ اس فرقے نے بہت سی روایات وضع کر کے مسلمانوں میں شائع کر دیں۔ اس فرقے کے صوفیوں نے اپنی مجلسوں میں ان وضعی روایات کو مسلسل بیان کیا اور سامعین نے ان مقدس حضرات پر اعتماد کر کے انہیں قبول کر لیا مثلاً

"بکتاشی سلسلے میں یہ روایت بہت مقبول ہے کہ جب جنگ احد میں آنحضرت صلعم زخمی ہوگئے اور جسم سے خون بہنے لگا تو جبریل نے آ کر آپؐ سے کہا کہ "نادِ علیاً" والی دعا

ف جیسے مسلمانوں کی نگاہ میں قرآن مجید

پڑھو یعنی علی رضہ کو پکارو۔ جب آپؐ نے یہ دعا پڑھی تو علی رضہ فوراً آپؐ کی مدد کے لئے آئے اور کفار کو قتل کر کے آپؐ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچا لیا"
[دیکھو درویشوں کا بکتاشی سلسلہ مصنفہ ڈاکٹر برج ص ۱۳۸ مطبوعہ ہارٹ فورڈ دیوانس ۱۹۳۷ء]

ارباب علم جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جنگ احد میں اس قسم کی کوئی دعائیں پڑھی۔ یہ دعا تاریخ یا سیرت یا مغازی کی کسی مستند کتاب میں مرقوم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب جنگ احد میں حضرت علی رضہ از اول تا آخر حضور انورؐ کے ساتھ رہے تو انہیں پکارنے کی ضرورت کیسے پیش آ سکتی تھی؟

یہی روایت اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئی کیونکہ عقیدت میں غلو، انسان کو تحقیق اور درایت دونوں سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ سید مظفر علی شاہ صاحب چشتی اپنی تالیف موسومہ جواہر غیبی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۵ء میں ص ۲۹۱ پر لکھتے ہیں:

"در غزوۂ تبوک چوں لشکر اسلام شکستہ شد حضرت سید عالم صلعم درمیان کشتگان پنہاں شدند جبریل ایں کلمات آوردند

نادِ علیاً مظهر العجائب تجده عوناً لك في النوائب كل هم وغم سينجلي بنبوتك يا محمد وبولايتك يا علي يا علي يا علي" ف

اللہ مصنف مرحوم کی علمی اور تاریخی لغزشوں کو معاف فرمائے! انہوں نے اس روایت کو زیب کتاب بناتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ غزوۂ تبوک میں تو سرے سے قتال ہی نہیں ہوا اور اسی لئے مؤرخین اسے غزوہ نہیں کہتے۔ دراصل یہ وہی روایت ہے جو بکتاشی سلسلے کے صوفیوں میں متداول ہے اور انہی کی کتابوں سے سید صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر لی ہے۔ خدا معلوم جنگِ احد کے بجائے انہوں نے "غزوہ تبوک" کہاں سے نقل کر لیا اور کیسے لکھ دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سیرۃ النبیؐ یا تاریخ اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا تھا۔

مجھے اس روایت کو نقل کر کے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قرامطہ نے جو نظام عقائد مدون کیا تھا وہ قرآن کی ضد ہے۔ چنانچہ اس روایت سے ان کا مقصد قرآن کی اس آیت کی تردید تھا

"وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ" (سورہ یونس آیت ۱۰۷)

ف ترجمہ: علی کو پکار جو عجائبات کا ظاہر کرنے والا ہے تو اسے مصیبتوں میں اپنا معین پائے گا۔ تمام پریشانیاں اور غم تیری نبوت اور علی کی ولایت کے وسیلے سے عنقریب دور ہو جائیں گے۔ (اس دعا کا پڑھنے والا اگر علی کو محمد سے افضل سمجھ لے تو اس کا کیا قصور ہے؟)

"اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اُس مصیبت کو دور کرنے والا نہیں ہے" قرآن کی رو سے اللہ کے علاوہ کوئی شخص دستگیر یا مشکل کشا یا حاجت روا یا کارساز نہیں ہے۔ چونکہ قرامطہ براہ راست مسلمانوں کو شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے اس لئے انہوں نے صوفیوں کا روپ دھارا اور اپنے ظاہری تقدس، وضع قطع، لباس، گفتگو اور طرزِ عمل سے مسلمانوں کو دھوکا دیا اور یہ مشرکانہ تعلیم بآسانی ان کی محبوب شخصیت کے نام کے پردے میں، اُن کے دماغوں میں جاگزین کر دی اور دلو طلب امر یہ ہے کہ یہ کام ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ عوام دھوکہ کھا گئے اور مرور ایام سے یہ روایات مسلمان صوفیوں کے صوفیانہ لٹریچر کا جزو لاینفک بن گئیں اور اب ان روایات کو صوفیانہ لٹریچر سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صوفی کو سب سے پہلے یہ تلقین کی جاتی ہے کہ

ا۔ اللہ کے سوا کسی شخص میں خواہ وہ نبی ہو یا رسول، غوث ہو یا قطب، کوئی قدرت نہیں ہے

ب۔ غیر اللہ سے استمداد و درکنار، اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سالک کے لئے مُضر ہے۔ ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ اسی کو تبتّل کہتے ہیں۔

ج۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ جب تک اللہ قوت عطا نہ کرے، کسی شخص میں فعل کی کوئی قوت پیدا نہیں ہو سکتی چنانچہ سرآمدِ موحدین رئیس المتقین حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی اپنی تصنیف فتوح الغیب میں مقالہ سوم میں فرماتے ہیں۔

لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَۃِ اِلَّا اللہ

یعنی در حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل نہیں ہے۔

سارا قرآن از اول تا آخر اس حکم سے معمور ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو صرف دو آیتیں درج کرتا ہوں۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکار کیونکہ من دون اللہ جو بھی ہے (خواہ رسول ہو یا ولی) وہ نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان (سورۂ یونس آیت ۱۰۶)

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکار (کیونکہ اللہ کے سوا اس کائنات میں) دوسرا الٰہ (نافع یا ضار) موجود ہی نہیں ہے (۲۸ — ۸۸)

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ

پس اللہ کے ساتھ کسی دوسرے اللہ کو مت پکار۔ اگر ایسا کرے گا تو بلاشبہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے گا (۲۶ — ۲۱۳)

قرامطہ کا مقصد مسلمانوں کو توحید سے منحرف کر کے مشرکین کی صف میں داخل کرنا تھا اسی لئے ان کے روحانی اور دینی پیشوا عبداللہ ابن سبا نے حضرت علی کو خدا بنایا اور اگرچہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کرا دیا مگر وہ مرتے مرتے شرک کا بیج اسلام کی زمین میں بو گیا۔ قرامطہ اسی بیج کا درخت تھے جس کے اثمار تلخ سے ہم چودہویں صدی میں "مستفید" ہو رہے ہیں۔

اسلام کی امتیازی صفت یہ تھی کہ یہ دین انسان پرستی کی لعنت سے پاک تھا۔ عبداللہ ابن سبا اور اس کے جانشینوں الفداح اور حمدون قرمط نے انتہائی چابکدستی کے ساتھ اسلام کو اسی امتیازی صفت سے محروم کر دیا۔ ہندوؤں کے یہاں رام اور کرشن خدا کے اوتار ہیں، قرامطہ کے یہاں حضرت علی خدا کا اوتار ہیں۔ وہ لوگ بوقتِ مصیبت رام کو پکارتے ہیں یہ لوگ بوقت مصیبت علیؓ کو پکارتے ہیں۔ خدا وہاں بھی معطل ہے یہاں بھی! انہی قرامطہ کی تقلید میں اکثر مسلمان حضرت علیؓ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں اور ہر مشکل کے وقت، خدا کے بجائے انہیں پکارتے ہیں اور جو مسلمان انہیں اس فعل سے منع کرتا ہے اسے "وہابی" کہتے ہیں۔

قرامطہ نے صوفی بن کر مسلمانوں کو جس حد تک گمراہ کیا، عمل صالح اور جدوجہد سے بیگانہ بنایا اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے "نادِ علیاً" سے دنیا جہان کی تاثیر منسوب کر دی میں اپنے دل پر جبر کر کے بلکہ پتھر کی سل رکھ کر جواہر غیبی سے ان کلمات کے خواص نقل کرتا ہوں۔

"خواص ایں کلمات بسیار است"

۱۔ اگر مسحور ہفت بار بر آب چاہ بخواند وازاں غسل کند، سحر باطل شود۔

۲۔ اگر اول ساعت جمعہ چہل و ہشت بار بخواند بار بر کہ سخن راند، محب او شود۔

۳۔ اگر از دشمن خوف باشد ہر روز ہفتاد بار بخواند، دشمن مقہور شود۔

۴۔ برائے اخلاص محبوس ہر روز شصت بار بخواند۔

۵۔ برائے حصول دولت ہر بامداد صد بار بخواند۔

۶۔ برائے رویتِ آنحضرت صلعم ہر شب سہ ہزار بار بخواند۔

۷۔ برائے کشفِ کنوز و اسرارِ غیب چہل روز ہر روز شصت و ہفت بار بخواند۔

۸۔ برائے تحصیلِ علوم ہر روز ہفتاد بار بخواند۔

۹۔ برائے بغض و عداوت میانِ دو شخص بست بار بخواند

۱۰۔ برائے تحصیل مرادات ہر روز بست و چہار بار بخواند صفحہ ۶۴۱ و صفحہ ۶۴۲

بخوفِ طوالت صرف انہی خواص پر اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب میں اسی قدر خواص اور بھی مرقوم ہیں ان خواص پر تنقید کے بجائے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسی قسم کے تصوف نے مسلمانوں کو قوتِ عمل سے محروم کر دیا۔ یہ سوال خارج از بحث ہے کہ ان کلمات میں یہ تاثیر کہاں سے ثابت ہے کیونکہ اس قسم کے اسرار و رموز فہم انسانی سے بالاتر ہیں۔

ایک بات اور عرض کروں۔ اس روایت کے واضع نے کمال دانائی سے حضرت علیؓ کا مرتبہ سرکارِ دو عالم صلعم سے بڑھا دیا اور واضع کا اصلی مقصد یہی تھا کہ مرکز توجہ حضور انور صلعم کی جانب سے ہٹ کر حضرت علیؓ کی طرف منتقل ہو جائے نہ اللہ سے تعلق باقی رہے نہ رسول اللہؐ سے۔

یہ ایک روایت ہے اُن صدہا روایات لایعنی میں سے جنہوں نے مسلمانوں کے عقائد میں شرک کی آمیزش کر دی اور قرامطہ نے یہ کارنامہ تصوف کا لبادہ اوڑھ کر انجام دیا۔ عوام جب ان کی مجلسوں میں جاتے تھے تو یہ لوگ پہلے اُن کو اپنے ظاہری تقدس سے مسحور کرتے تھے پھر اُن کے عقائد کو غیر اسلامی تصوف کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔

نظر ان کی رہی مجلس میں بس حشو و زوائد پہ
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پہ[ے]

اگر تصوف اسی بات کا نام ہے کہ مسلمان خدا پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو جائے تو ایسے تصوف سے ہر سچا مسلمان ہزار بار اللہ کی پناہ طلب کرے گا

قرامطہ نے فصوص الحکم، فتوحاتِ مکیہ، مثنوی مولانا روم، احیاء العلوم اور دوسری مشہور کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں اور اشعار داخل کر دیئے بلکہ بہت سی کتابیں خود لکھ کر بعض بزرگوں کے نام سے منسوب کر دیں مثلاً ایک دیوان حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا بہت سی رباعیات مختلف صوفیوں سے منسوب کر دیں مثلاً یہ مشہور رباعی حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے منسوب کر دی:

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ دیں پناہ است حسینؓ
سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسینؓ

ے اکبر الہ آبادی کا شعر ہے۔
نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پہ
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پہ
میں نے اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لئے اس میں تصرف کر دیا ہے ۱۲

قرامطہ نے بہت سی غزلیں مولانا روم کے دیوان میں شامل کر دیں جس کا نام دیوان شمس تبریز ہے ایک غزل کے چند اشعار ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

شاہے کہ ولی بود و وصی بود علی بود
سلطانِ سخا و کرم و جود علی بود
ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن
ہم موعد و ہم وعدہ و موعود علی بود
گویند ملک ساجد و مسجود بُد آدم
از من بشنو ساجد و مسجود علی بود
ہم آدم و ہم شیث و ہم ایوب و ہم ادریس
ہم یوسف و ہم یونس و ہم ہود علی بود
جبریل کہ آمد ز برِ خالقِ بیچوں
در پیش محمدؐ شد و مقصود علی بود
ایں کفر نباشد سخن کفر نہ ایں است
تا ہست علی باشد و تا بود علی بود

مرشد رومی ہرگز یہ غزل نہیں لکھ سکتے تھے کیونکہ دوسرے شعر کا پہلا مصرع بفحوائے نص قرآنی "ہو الاول والاخر والظاہر والباطن" اللہ تعالیٰ کی صفات پر شاہد ہے۔ اور کوئی مسلمان اس نص کو غیر اللہ کی ذات پر منطبق کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو حضرت علیؓ کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتا ہے۔ اور عبد اللہ ابن سبا کی اور اس کے متبعین القداح اور قرمط کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہی الوہیت علیؓ کا عقیدہ ہے، لہٰذا یہ غزل انہی کے پیرو لکھ سکتے ہیں۔ چند اشعار اور بھی درج کرتا ہوں۔

اوّل و آخر توئی ظاہر و باطن توئی
مغزِ عالم توئی شاہ سلامٌ علیک
باجہد خود جیدم بیروں ز حیدر کاذم
حق را بحقِ من عرف از شاہ مرداں یافتم
اے رہنمائے مومناں، اللہ مولانا علی
اے عیب پوش و غیب داں اللہ مولانا علی
قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغضِ علی
ہر سر شدند از دیں بری اللہ مولانا علی

مرشد رومی یہ اشعار ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے کیونکہ عیب پوش اور غیب داں یہ اللہ کی صفات میں نہ کہ حضرت علیؓ کی۔

دیوان شمس تبریز پر جلال ہمائی نے جو مقدمہ لکھا ہے اس میں ان اشعار کو الحاقی قرار دیا ہے۔ (دیکھو مقدمہ صفحہ ۶۷ دیوان شمس تبریز مطبوعہ طہران ۱۳۳۵ھ شمسی)

خواجہ اجمیریؒ یا مرشد رومیؒ کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا حقیقت ہے۔ قرامطہ اور ان کے ہم خیالوں نے تو اس قدر جسارت کی کہ اپنے مزعومات باطلہ احادیث نبوی کے لباس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیئے۔ منجملہ ان کے یہ حدیث ہے جو ترمذی میں بھی موجود ہے۔

انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمۃ وعلیؓ بابھا

شیخ الاسلام آیۃ من آیات اللہ مجاہد اعظم حضرت سیدی و شیخی و مولوی سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز مکتوب ۵۵ میں صفحہ ۱۷۹ و صفحہ ۱۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ روایت نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں . . . . .

[ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کی ہے مگر علمائے حدیث اس کو ثقات میں سے کسی سے نہیں پہچانتے سوائے شریک کے علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اس کے جملہ طرق پر یقین کے ساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل ہے۔

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین صاف فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ علامہ ہیثمی نے بھی اس کی صحت کا انکار کیا ہے . . . . امام العصر (مولانا انور شاہ صاحبؒ) بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہیں فرماتے] (حاشیہ از مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی مرتب مکتوبات شیخ الاسلام جم (ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام حصہ اول۔ اردو بک اسٹال لاہور)

صوفیہ کے اشعار میں تدسیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا انہوں نے مولانا کی کتاب "سلسلۃ الذہب" پر چند اعتراضات کئے تھے ایک رافضی نے حضرت علیؓ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیئے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کر دیئے تھے سُنی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا . . . .

اس داستان کی تفصیل کے لئے دیکھو حیات جامی مؤلفہ ڈاکٹر علی اصغر حکمت مطبوعہ طہران ۱۳۲۰ھ

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ اسمٰعیلیہ قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں حضرت علی کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیت علی پر استدلال ہو سکے اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی شعراء بلا استثنائے احدے، حضرت علی رضؓ کو نہایت مکرم، محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علی رضؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہ کی منقبت میں زورِ قلم صرف کیا ہے وہاں حضرت علی کی منقبت میں بھی اپنے عقیدت کا

مظاہرہ کیا ہے اس لئے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شامل کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی تھی۔ فرض کیجئے مولانا جامی نے اکیس شعر کی ایک نظم حضرت علیؓ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو تین ایسے شعر جن میں حضرت علی رضؓ کو خدا بنا دیا گیا ہو، اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے [اور اسی کو تدسیس کہتے ہیں] تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے؟

قرامطہ نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے جہاں اور ہتھکنڈے استعمال کئے وہاں یہ حربہ بھی استعمال کیا کہ اپنی مجلسوں میں مسلسل اس گمراہ کن عقیدے کی تبلیغ کی کہ "شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں ہیں اور جب ایک شخص طریقت کے دائرے میں قدم رکھتا ہے تو اس کے لئے شریعت کی پابندی لازمی نہیں رہتی۔ جی چاہے پابندی کرے، جی چاہے نہ کرے۔

ملوکیت نے دین اور دنیا میں تفریق تو پہلے ہی سے قائم کر دی تھی اور اس غیر اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کی اجتماعی اخلاقی اور دینی زندگی کو تباہ کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر اس غیر اسلامی تصوف نے پوری کر دی کیونکہ شریعت اور طریقت کی تفریق سے اباحتِ مطلقہ کا دروازہ کھل گیا اور مسلمانوں کی روحانی زندگی ختم ہو کر رہ گئی۔

قرامطہ کو اس تفریق کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ اگرچہ انہوں نے مصلحتاً تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر دل تو بدستور غیر اسلامی تھا اس لئے انہوں نے اس "نکرہ معرفۃ" کو شدومد کے ساتھ پیش کیا تا کہ کوئی شخص ان پر عدم پابندیٔ شرع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ علاوہ بریں ان جعلی صوفیوں کے حاشیہ نشینوں نے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ نماز پنجگانہ تو عوام کے لئے ہے یہ حضرات تو ہر وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں!

اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں قلندری اور ملامتی درویشوں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں ان دونوں جماعتوں کے افراد پابندیٔ شریعت سے آزاد رہتے تھے بلکہ اس آزادی میں فخر محسوس کرتے تھے اور تحقیرِ شریعت کو اپنے لئے طغرائے امتیاز بناتے تھے۔

قلندروں کی جماعت نے سیاحت اور صحرانوردی کو اپنا شعار بنایا کیونکہ اس طرح سیر و تفریح کے مواقع بھی بآسانی میسر آسکتے تھے اور جدوجہد کے بغیر زندگی بسر ہو سکتی تھی یعنی جس شہر میں پہنچے وہاں کے مسلمانوں پر اپنے تقدس (ترک دنیا) کا سکہ جما کر اعلیٰ درجے کی ضیافت کا انتظام کرلیا۔ رفتہ رفتہ ان کے اخلاق بالکل تباہ ہو گئے بخوف طوالت تفصیل سے اجتناب کرتا ہوں۔

رہے ملامتی فرقے کے لوگ تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضعف پہنچایا

کیونکہ دین کی بنیاد ہی منہدم کر دی انہوں نے ہر اس فعل کا ارتکاب کیا جس کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔ قرامطہ نے اُن کو یہ نکتہ عجیبہ جسے ابلیسی ذہانت کا شاہکار کہنا زیادہ مناسب ہوگا، سمجھایا کہ

۱۔ تصوف کا مقصود ہے نفس امارہ کو مغلوب کرنا

۲۔ اس کے مغلوب کرنے کا ایک طریقہ اس کی تذلیل بھی ہے۔

۳۔ اس لئے ایسے کام کرو جن کی وجہ سے لوگ تمہیں بُرا کہیں۔

۴۔ جب لوگ تمہیں بُرا سمجھیں گے، گالیاں دیں گے، دین اسلام سے خارج کریں گے، تمہارا سوشل بائیکاٹ کریں گے، تو یقیناً نفسِ امارہ، نفسِ مطمئنہ میں تبدیل ہو جائے گا۔

چونکہ اتباعِ شریعت نفس پر گراں ہے اس لئے یہ "ملامتی طریقہ" بہت جلد مقبول ہوگیا اور آج بھی ہند و پاکستان کے مختلف شہروں میں آپ کو ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو

۱۔ علانیہ شریعت اور طریقت میں تفریق کرتے ہیں اور "پیر" ہونے کے باوجود نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ اتباعِ شریعت کرتے ہیں وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم روحانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں یہ رسوم ظاہری بیکار ہو جاتی ہیں اور اپنے زعمِ باطل کی تائید میں یہ آیت پیش کر دیتے ہیں

"واعبد ربك حتى ياتيك اليقين"

یعنی اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کر جب تک تجھ میں یقین کی کیفیت پیدا نہ ہو اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اندر یقین پیدا ہو چکا ہے اس لئے اب ہمیں عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ افضل الرسل خیر البشر سرکار دو عالم آخر وقت تک نماز پڑھتے رہے!

۲۔ جو درویشی کے پردے میں منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اسی لئے تو شراب پیتے ہیں کہ لوگ ہمیں بُرا سمجھیں اور اس طرح ہمارا نفس مردہ ہو جائے جو مقصودِ اسلام ہے!

یہ "بے شرع" اور "خلاف شرع" صوفی جو دراصل ملاحدہ اور زنادقہ کی جماعت کے دو افراد ہیں۔ پانچویں صدی سے دنیائے اسلام میں اپنی فتنہ پردازی اور شرارت انگیزی میں مصروف ہیں۔ میں صرف ایک شخص کا ذکر کروں گا جس کا نام مادھو لال حسین ہے یہ شخص اکبر کے عہد میں لاہور میں رہتا تھا۔ ایک طرف اپنے اشعار میں خالص توحید اور عشق الٰہی کا درس دیتا تھا دوسری طرف ایک کھتری

بچہ "مادھو" کے عشق میں گرفتار تھا اور بلا تأمل خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا۔

ملامتی فرقے کے درویش لاہور کے علاوہ دلّی میں بھی تھے اسی لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ فرماتے ہیں کہ

"جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں ہے بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی سے زیادہ شواہد پیش کر دیئے ہیں کہ بلا شبہ

۱۔ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی پیدا ہوا جسے ہم ایرانی یا عجمی تصوف بھی کہہ سکتے ہیں اور اس تصوف کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیادی تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں جیسا کہ مہدی توحیدی پور نے نفحات الانس کے عنوان میں لکھا ہے:۔

"زیرا اصولِ طریقتِ تصوف در بسیارے مولرد با قوانینِ دینِ مبینِ اسلام معارض است"

اور اس میں کیا شک ہے کہ ایرانی تصوف، اکثر موارد میں دینِ مبینِ اسلام کے قوانین کی ضد ہے اسلام خدا پرستی سکھاتا ہے اور یہ غیر اسلامی یا ایرانی تصوف انسان پرستی کا سب سے بڑا علمبردار ہے!

۲۔ اس غیر اسلامی تصوف کا بیج قرامطہ نے بویا انہوں نے اپنے مقاصدِ مشؤمہ اور عقائدِ مذمومہ کی تبلیغ کے لئے تصوف کو آلۂ کار بنایا اور صوفیوں کے لباس میں بے شمار مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔

بطورِ تائیدِ مزید، مقدمہ شرح گلشن راز، نوشتۂ آقائے کیوان سمیعی (شیعہ اثنا عشری) سے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

"صوفیوں میں حلول و اتحاد کے غیر اسلامی عقائد کی اشاعت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقِ ضالہ کے پیروؤں نے اپنے مقاصدِ خبیثہ کی اشاعت کے لئے، اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کیا۔ ان لوگوں کی صورت تو صوفیانہ تھی مگر سیرت صوفیانہ نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد صوفیوں میں شائع کر دیئے اور چونکہ عامۃ الناس ان میں اور سچے صوفیوں میں فرق نہ کر سکے (اور کر بھی کیسے سکتے تھے) اس لئے فرقِ مذکورہ کے معتقدات کو صوفیوں کے معتقدات سے مخلوط اور منسوب کر دیا۔ چنانچہ شمس الدین محمد سخاوی اپنی تصنیف "الضوء اللامع" میں دربارۂ فضل اللہ استر آبادی (جو باطنی بھی تھا اور مذہبِ اتحاد کا بھی معتقد تھا اور فرقۂ

حروفیہ کا بانی بھی تھا، لکھتا ہے "۔۔۔ بلباس درویشاں در آمد و خود را ازاں طائفہ معرفی کرد"

وہ درویشوں کے لباس میں ظاہر ہوا اور اپنے آپ کو اسی گروہ سے وابستہ کر کے ایک صوفی کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے باوجود تعطیل احکام شرعیہ و اباحتِ محرمات و ترکِ مفروضات کا حکم دیا (الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع جلد ۲ صفحہ ۱۷۴)"

پروفیسر ای جے ڈبلو گب اپنی تاریخ شعرِ ترکانِ عثمانی صفحہ ۳۳۶ پر لکھتا ہے۔

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دُعاۃ مذہب بدع و ضلال نے اشتباہ کاری اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے، عوام کے حسنِ ظن کو مدنظر رکھ کر، باطل عقائد رکھنے والے صوفیہ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے آپ کو انہی سے وابستہ ظاہر کیا ہے"

چنانچہ نظام الملک طوسی کا قاتل جو دراصل فرقہ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا، صوفیہ کے لباس میں ظاہر ہوا تھا (اس نے صوفی بن کر طوسی کا قُرب حاصل کیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا) اسی طرح باطنیہ فرقے کے دو آدمی، صوفی بن کر شاہ عباس صفوی کے پاس آئے تھے اور اُسے مذہب امامیہ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تھی۔

فرقہ اسمٰعیلیہ میں وہ طائفہ جو حشاشین کے نام سے بدنام ہے اس کے افراد بھی ہمیشہ صوفیوں ہی کے لباس میں ظاہر ہوتے تھے۔ اور جب وہ صوفیہ کے عقائد بیان کرتے تھے تو اپنے عقائد بھی شامل کر دیتے تھے اور اس طرح عقیدۂ شخصی، عقیدۂ صوفیہ بن جاتا تھا۔ چنانچہ متأخرین ان کے ایسے اقوال کی تاویل کرتے تھے مثلاً شیخ عزیز نسفی اس بات کا قائل ہے کہ مردِ عارف کی روح اس کی وفات کے بعد کاملین کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ عقیدہ بالکل عقیدۂ تناسخ کا ہم معنی ہے مگر ایک صوفی سے منسوب ہے اس لئے مُلّا ہادی سبزواری نے اپنی تصنیف اسرار الحکم جلد اول صفحہ ۲۴۳ میں شیخ مذکور کے اس قول کی تاویل کی ہے اور اس کے اس غیرارادی عقیدے کا نام "تناسخِ مجازی" رکھ کر شیخ مذکور کی برأت کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ صریحاً تناسخِ ارواح کا عقیدہ ہے جو کفر ہے"

[ماخوذ و مقتبس از مقدمہ گلشن راز نوشتہ کیوان سمیعی شیعی مطبوعہ چھاپ خانہ حیدری از انتشارات کتابخانہ محمودی طہران ۱۳۳۷ھ شمسی صفحہ ۳۸ و صفحہ ۳۹]

یہ ایک شیعہ عالم کی عبارت ہے جس پر کسی تبصرے یا حاشیے کی ضرورت نہیں ہے اور میرے مدعا کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

اس کے بعد میں علامہ ابن خلدون کی شہادت پیش کرتا ہوں وہ اپنی تاریخ کے شہرۂ آفاق

مقدمے میں یوں رقمطراز ہیں:

"صوفیائے متقدمین کے روابط اُن غلاۃ اسمٰعیلی شیعیوں سے استوار ہو گئے جو حلول اور الوہیتِ ائمہ کے قائل تھے۔ ابتدائی دور کے اسمٰعیلیہ ان عقائد سے آگاہ نہ تھے۔ بہرحال اسمٰعیلیہ اور صوفیہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے عقائد سے متاثر ہوئے اور ان کے نظریات و عقائد آپس میں مدغم ہو گئے۔ چنانچہ صوفیہ کے یہاں بھی "قطب" کا نظریہ پیدا ہو گیا جس کا مطلب ہے سید العارفین یا تمام عرفا کا سرتاج۔ صوفیہ نے یہ فرض کر لیا (بلا دلیل) کہ کوئی صوفی معرفت کے لحاظ سے قطب کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک خدا اس قطب کو وفات نہ دے۔ اور اس کی وفات کے بعد خدا اس کا مقام، اس کے جانشین کو عطا کر دیتا ہے (یہ عقیدہ اسمٰعیلیہ کے عقیدۂ امامت سے مشابہ ہے کہ جب ایک امام مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے الوہیت اور معصومیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اسی لئے امام کی زندگی میں دوسرا شخص امامت کے مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتا)

چنانچہ مشہور فلسفی ابن سینا نے (جو باطنی تھا)، اپنی تصنیف "کتاب الاشارات" میں اس نظریے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

"یہ صداقتِ عظمیٰ (حقانیت کبریٰ)، اس قدر رفیع الشان ہے کہ ہر طالب کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شخص اس مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے"

(تفصیل کے لئے دیکھو "کتاب الاشارات و التنبیہات" النمط التاسع)

واضح ہو کہ اقطاب کے تسلسل کا نظریہ نہ شریعت سے ثابت ہو سکتا ہے نہ دلائل عقلیہ سے۔ یہ محض ایک استعارہ ہے، اور غلاۃ شیعہ کے نظریۂ امامت سے مطابقت رکھتا ہے جس کی رو سے ایک امام کی وفات کے بعد اس کا فرزند امامت کو بھی ترکے یا ورثے میں حاصل کر لیتا ہے (جس طرح جائداد منتقل ہوتی ہے امامت بھی منتقل ہو جاتی ہے) بلا شبہ صوفیوں نے یہ تصور غلاۃ شیعہ سے حاصل کیا ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح باطنیہ امام کے بعد نقبا کا وجود تسلیم کرتے ہیں اسی طرح صوفیہ، قطب کے بعد اولیاء کا وجود تسلیم کرتے ہیں جن کا مرتبہ قطب کے بعد ہے چنانچہ شیعہ کے ساتھ ان کے عقائد کی مماثلت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے خرقہ پوشی کے لئے مشائخ کا سلسلہ مرتب کیا تو اسے حضرت علیؓ تک پہنچا دیا۔ یقیناً یہ بات انہوں نے شیعوں کے زیر اثر آ کر کی کیونکہ جو صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قرب رکھتے تھے۔ ان میں حضرت علیؓ کو کسی

مخصوص عمل کی بناء پر یا لباس کی بناء پر کوئی درجہ امتیاز حاصل نہیں تھا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض تمام صحابہ میں سب سے زیادہ متقی اور زاہد تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی خاص مذہبی عمل کی وجہ سے دوسروں سے ممتیز نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحابہ رض کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا وہ سب کے سب مذہب، پرہیزگاری زہد و ورع اور مجاہدانہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اس بات کا ثبوت ان کی زندگی اور تاریخ دونوں سے مل سکتا ہے بلاشبہ اس قسم کے تصوں سے شیعہ مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی رض کو بعض مخصوص صفات کی وجہ سے دیگر صحابہ رض کے مقابلے میں امتیازی شان حاصل ہے"

(مقتبس از مقدمہ ابن خلدون باب ششم فصل شانزدہم انگریزی ترجمہ جلد سوم صـ۹۲ تا صـ۹۳ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۸ء)

اپنے دعوے کی مزید تائید کے لئے میں تصوف کی کتابوں سے وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور باطل روایات ذیل میں درج کرتا ہوں جو دشمنانِ اسلام نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے وضع کرکے داخل کردی ہیں اور ان تحریفات کی مثالیں بھی درج کروں گا جو انہوں نے کتب تصوف میں کی ہیں۔ اس کے بعد اُن غیر اسلامی عقائد کی نشان دہی کروں گا جو دین سے ناواقف مسلمان صوفیوں میں مقبول ہوگئے ہیں :-

(مسلسل)

بقیہ :- "تدبر قرآن" از صفحہ ۲۵

کہ اب اللہ کا دین بھی تکمیل کی منزل کو پہنچا اور تمہاری شریعت بھی اتمام کی منزل کو پہنچی اور اسلام کو خدا نے تمہارے لئے دین کی حیثیت سے پسند فرمایا۔ آخر میں اضطرار کی حالت میں، حرام سے فائدہ اٹھانے کی جو رخصت ہے اس کا ذکر فرمایا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ الیوم اکملت لکم الایۃ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ نازل تو اسی سلسلے میں حجۃ الوداع سے پہلے ہوئی ہے لیکن اس بشارت کا اعلان عام چونکہ حجۃ الوداع ہی کے موقع پر ہوا اس وجہ سے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ اس کا نزول اسی موقع پر ہوا ہے۔

تقریظ و تنقید

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مطبوعات مجلس معارف القرآن

(اکادمی قرآن عظیم)

دارالعلوم دیوبند۔ ضلع سہارنپور بھارت

۱۔ حجۃ الاسلام مکمل مصنفہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح مع تشریح و تسہیل از مولوی اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ۲۶×۲۰/۸

صفحات ۱۷۵، کاغذ سفید، مجلد قیمت تین روپے آٹھ آنے۔

چونکہ اس کتاب نے میری ذہنی اور دینی زندگی میں ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا اس لئے میں اس واقعے کو بالوضاحت لکھنا چاہتا ہوں :

یہ ۱۹۱۵ء کا ذکر ہے۔ میں اس وقت بریلی کالج میں بی اے کا طالب علم تھا اور فلسفہ[ل] میرا اختیاری مضمون تھا۔ الہیات میں ڈاکٹر فلنٹ (FLINT) کی مشہور تصنیف HEISM داخل نصاب تھی اور ہمارا پروفیسر بطور تمہید ہمیں وجود کی بحث پڑھا رہا تھا اور ہم واجب اور ممکن کی بحثوں میں الجھا ہوا تھا چونکہ پروفیسر ہندو تھا، اور اکثر تعلیم یافتہ ہندو اپنے قومی رجحان کی بدولت اپنے مذہبی فلسفے اور الہیات سے دلچسپی رکھتے ہیں (جس طرح اکثر تعلیم یافتہ مسلمان شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں!) اس لئے وہ اپنی بحث میں ہندو فلسفہ اور الہیات کے حوالے دیتا رہتا تھا جن سے متاثر ہو کر میں فرصت کے اوقات میں، ہندو فلسفہ پڑھتا رہتا تھا۔

ایک دن شام کے وقت میں اپنے پنساری کی دکان پر الائچی خریدنے گیا اس زمانے میں سفید الائچی پیسے تولہ ملتی تھی یعنی سوا روپے سیر (آجکل پاکستان میں اس کا بھاؤ کبھی کبھی سوا روپے تولہ بھی ہوجاتا ہے) اُس نے دو پیسے کی دو تولہ الائچیاں ایک کاغذ کی پڑیا میں باندھ کر دے دیں جب گھر آکر پڑیا کھولی تو وہ ۲۶×۲۰/۸ سائز کی کتاب کا ایک ورق تھی میں نے عبارت پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی تو میری

ل۔ پنجاب یونیورسٹی میں بی اے کے نصاب فلسفہ میں صرف دو علوم پڑھائے جاتے ہیں اخلاقیات اور نفسیات مگر الہ آباد یونیورسٹی میں پانچ علوم پڑھائے جاتے تھے اخلاقیات، نفسیات، مابعد الطبیعیات، الہیات اور منطق کا فلسفہ۔

نگاہ اس فقرے پر جم کر رہ گئی۔

"وجود کا زوال و انفصال با واز بلند کہہ رہا ہے کہ ہمارا وجود ہمارا خانہ زاد نہیں ہے"

زبان سے بے اختیار نکلا "یا اللہ! یہ تو کوئی فلسفے کی کتاب معلوم ہوتی ہے، اس میں تو وجود کی بحث دسی ہے، یہ ہے کیا کتاب؟" پھر ذرا اوپر سے پڑھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ اسی صفحے سے وجود کی بحث شروع ہوئی ہے۔ اوپر دیکھا تو صفحہ ۲ لکھا ہوا تھا۔

میں نے دل میں کہا اگرچہ پہلا ورق ضائع ہو چکا ہے مگر بحثِ وجود تو اسی صفحے سے شروع ہوئی ہے اس لئے اس کتاب کو فوراً حاصل کرنا چاہیئے۔ الٹے پاؤں پھر واپس ہو کر لالہ کی دکان پر پہنچا وہ اس وقت دکان بڑھا رہا تھا۔ میں نے مدعا بیان کیا اس نے کہا "شوق سے لے لو" میں نے وہ کتاب اٹھائی تو معلوم ہوا کہ ۲۵ صفحے کی کتاب ہے مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی تھی آخری سطور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کتاب کا نام حجۃ الاسلام ہے اور قاسم العلوم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تصنیف ہے۔ [1]

تیز قدموں کے ساتھ گھر واپس آیا جلدی جلدی کھانے سے فارغ ہوا اور لیمپ کی روشنی میں اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا۔ دو بجے رات تک پوری کتاب پڑھ ڈالی تب نیند آسکی۔ چونکہ بعض بحثیں میری سمجھ میں نہیں آسکی تھیں اس لئے دوسرے دن مدرسہ اشاعت العلوم میں مولانا سلطان احمد خان صاحب پشاوری مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا جو معقولات کا درس دیتے تھے انہوں نے بزرگانہ مشورہ دیا کہ اگر واقعی استفادہ منظور ہے تو شمع تہذیب کے سبق میں شمولیت اختیار کر لو۔ یہ تھی ابتدا اس عاجز کی علم اور علماء سے تعارف کی ۱۹۱۶ء میں اور یہ کرشمہ تھا حجۃ الاسلام کا۔ اسی کتاب نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی دیگر تصانیف کے مطالعے کا شوق پیدا کیا، اور مولانا کے واسطے سے اکابر دیوبند سے

[1] دوسرے دن پھر دکان پر گیا تو لالہ نے کہا ایک غریب مسلمان کل شام یہ ردی دے گیا تھا تمہاری خاطر میں نے اس میں سودا نہیں دیا ہے ویسی ہی رکھی ہوئی ہے، تم اسے دیکھ لو شاید تمہارے کام کی کوئی چیز اور نکل آئے (اللہ اللہ! پچاس برس پہلے کے ہندو ایسے ہوتے تھے) میں نے جائزہ لیا تو فارسی کی انتہائی اوق کتابیں خون کے آنسو رو رہی تھیں انہی تیاغی میں ایک دُرِّ یتیم بھی ہاتھ آیا یعنی مولوی ہدایت علی صاحب فاروقی بریلوی کا ایک رسالہ انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو امتناع نظیرِ خاتم النبیینؐ کے موضوع پر تھا یہ بزرگ جیسا کہ بعد کو مجھے معلوم ہوا، خاتم الحکماء مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی مرحوم کے شاگرد تھے اور یہ رسالہ مولانا اسمٰعیل شہید کے رد اور اپنے استاد کی تائید میں لکھا تھا جس کے طبع ہونے کی نوبت نہ آسکی۔ یہ دو سیر ردی لالہ نے دو آنے میں خریدی تھی۔ جس میں سے یہ رسالہ دو سو روپے میں بھی ارزاں تھا!

تعلق خاطر پیدا ہوا جو الحمد للہ آج تک قائم ہے۔

آمدم برسرِ مطلب۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب جو بقامت کہتر و بقیمت بہتر کی مصداق ہے، جس میں مولانا روم نے بلا مبالغہ "دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے"، جس نے میری ذہنی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا، جس نے ۱۸۶۹ء سے اب تک خدا معلوم کے لاکھ آدمیوں کو نفع پہنچایا ہوگا اب ۱۹۶۷ء میں دیوبند سے بہت دیدہ زیب اور باصول نواز لباس میں شائع ہوئی ہے۔ $\frac{20\times 26}{8}$ سائز کے ۱۷۵ صفحات میں کاغذ بہت عمدہ اور چکنا ہے طباعت بہت اچھی ہے ڈسٹ کور بہت حسین ہے اور لطف یہ ہے کہ اتنی خوبیوں کے باوجود قیمت صرف تین روپے پچاس پیسے ہے۔ مولانا اشتیاق احمد صاحب مدظلہ کی تشریح و تسہیل نے کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں افسوس کہ پاکستان میں اس گوہر آبدار کے حصول کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ع

مصطفےٰ نایاب و ارزاں بولہب!

۲۔ تفسیر المعوذتین

تصنیف شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سائز $\frac{22\times 18}{8}$ صفحات ۵۲، کاغذ سفید غیر مجلد قیمت ایک روپیہ

حضرت نانوتویؒ نے عربی زبان میں معوذتین کی تفسیر لکھی تھی اسے مجلس مذکورۃ الصدر نے بڑے اہتمام سے ٹائپ میں شائع کیا ہے۔ شروع میں مولوی محمد سالم صاحب قاسمی نے مولانا نانوتویؒ کی شخصیت جلیلہ اور خدمات دینی کی طرف اشارات کئے ہیں اور ان کے موجودہ جانشین مولانا محمد طیب صاحب کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے اس کے بعد مولانا محمد طیب صاحب نے اپنے جد امجد کے کمالات علمی و تبلیغی و علمی و روحانی کا مختصر لفظوں میں تذکرہ کیا ہے۔ اور اس ضمن میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا قول نقل کیا ہے۔ "رجا شیر شیخ نانوتوی میں جتنی خوبیاں بھی تھیں وہ سب اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ وہ عالم بھی تھے اور مرد مجاہد بھی جس کا مظاہرہ انہوں نے شاملی کی جنگ میں کیا تھا اس کے بعد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ کی آراء درج کی ہیں۔ مرشدی حضرت شیخ الہندؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس امت میں چار حضرات ایسے گذرے ہیں کہ اگر ایک غبی اور کند ذہن آدمی بھی اُن کے علوم سے مزاولت اور ممارست پیدا کر لے تو اس کا ذہن روشن ہو جائے گا۔ یہ حضرات امام غزالی رحمہ، شیخ اکبر ابن عربی رحمہ، شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔ میں ان چار کے ساتھ پانچویں کو شامل کرتا ہوں یعنی استاذی شیخ نانوتویؒ۔ عربی دان حضرات کیلئے یہ رسالہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے!

(م ی خ)

۳۔ قرآن محکم

مصنفہ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۴۰ کاغذ سفید قیمت ۲ روپے۔

مولانائے محترم نے اس کتاب میں یہ بات بدلائل عقلیہ و نقلیہ واضح کر دی کہ قرآن حکیم میں سرے سے نسخ کا وجود ہی نہیں ہے۔ بقول مہتمم دارالعلوم دیوبند مجھے بھی اس رسالے کو پڑھ کر بے حد انشراح نصیب ہوا۔ افسوس کہ تعلقات کی خرابی کی وجہ سے یہ گوہر آبدار اس ملک میں بآسانی دستیاب نہیں ہو سکتا۔

راقم الحروف کا تو شروع ہی سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ قرآن حکیم و محکم میں بلحاظ حقیقت کوئی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے بلکہ وہ صرف محکمات کا مجموعہ ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات جلد قائم ہو جائیں تاکہ یہ مفید کتابیں بآسانی یہاں آسکیں۔

۴۔ دینی دعوت کے قرآنی اصول

مصنفہ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۱۳۲ کاغذ سفید کتابت اور طباعت دیدہ زیب قیمت دو روپے پچیس پیسے۔

خدا کی شان ہے کہ دعوت و تبلیغ اسلام کے قرآنی اصول کی اشاعت کی سعادت اُن مسلمانوں کے حصے میں آئی جو اس وقت اپنے وطنِ مالوف میں "بتیس دانتوں میں زبان" کا مصداق بنے ہوئے ہیں، اس کتاب کی تصنیف اور اشاعت اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ بھارت کے مسلمانوں نے اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے اپنے وطن میں زندہ رہنے کا عزم ہی نہیں کیا ہے بلکہ مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنے کا فیصلہ کیا ہے اور راقم الحروف صدقِ دل سے حضرت مصنف کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے کہ انھوں نے ایسی کتاب لکھی ہے جو آزاد مسلمان ممالک کے مسلمانوں کے لئے سرمۂ بصیرت بھی ہے اور تازیانۂ عبرت بھی!

فاضل مصنف نے مشہور آیہ قرآنی ادع الی سبیل ربک... الخ، کو اس قابلِ قدر کتاب کی اساس بنایا ہے اور اس سے تبلیغ کے تین طریقوں (تبلیغ بالحکمت، تبلیغ بالموعظت اور تبلیغ بالمجادلہ) کی تشریح میں ایسے علمی اور قرآنی حقائق بیان کئے ہیں جن کے مطالعے سے اس عاجز کم سواد کے ذہن میں فیوضاتِ قاسمی کی تصویر کھنچ گئی۔

یوں تو پوری کتاب موتیوں میں تولنے کے لائق ہے مگر "قیامِ حکومتِ الہیّہ سے پہلے

دعوت و تبلیغ کی ضرورت" کے عنوان کے ذیل میں فاضل مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ بلاشبہ اس قابل ہے کہ پاکستان کے مسلمان اُسے حرزِ جان بنالیں، وجہ یہ ہے کہ وہ اس ملک میں حکومتِ الہیّہ قائم کرنی چاہتے ہیں اور اس کا قیام دعوت و تبلیغ اسلام کا نظام قائم کرنے پر موقوف ہے اور جب تک پاکستان کے مسلمان، حقیقی معنی میں مسلمان نہیں بنیں گے۔ اسلامی حکومت کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ مجھے اس وقت اپنے مرشدِ معنوی اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر بے قصد و ارادہ یاد آگیا ؎

خدا کے کام دیکھو، بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

اللہ تعالیٰ پاکستان کے مسلمانوں کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس ملک میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لئے اجتماعی طور پر جد و جہد کر سکیں — آمین

(یوسف سلیم چشتی)

تاریخ اسلامی کے دورِ فتن کے بارے میں

صحیح نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہے

(۱) وفاتِ سرورِ کائناتؐ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۱۲۴۰ روپیہ
(۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ	سلام اللہ صدیقی جونپوری	۱۰۰۰ "
(۳) حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ	" " "	۱۰۴۰ "
(۴) حضرت عمرو بن العاصؓ	" " "	۲۶۹۰ "
(۵) تاجدارِ مدینہ کی شہزادیاں	" " "	۱۰۱۵ "
(۶) اہلبیت اور اہلسنت	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۱۰۱۵ "
(۷) اسلامی حکومت کے نقش و نگار	مولانا ظفیر الدین مفتاحی	۲۰۰۰ "
(۸) تحفۂ کربلا	محمد احمد الہ آبادی	۴۰۰۰ "
(۹) سکینہ بنت حسینؓ	از طیب بیگم صاحبہ	۰۰۷۰ "
(۱۰) مولانا مودودی اور سیدنا عثمان غنیؓ	محمد سراج الحق مچھلی شہری	۲۰۳۰ "

دارالاشاعت الاسلامیہ۔ امرت روڈ کرشن نگر لاہور ۱۳ فون نمبر ۶۹۵۲۲

بقیہ: قرآن حکیم کا ادبی مقام از صفحہ ۳۲

کہیں منظری کہیں تمثیلی، کوئی معقد جملہ یا ترکیب سامنے نہیں آتی۔ غیر عرب اور عربی زبان سے قطعاً ناواقف اور ان پڑھ لوگوں نے بھی قرآن پڑھے اور پڑھ رہے ہیں وہ اس روانی سے قرآن سناتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب خواہ کسی زبان میں لکھی گئی ہو اس روانی سے نہیں پڑھی جا سکتی آپ نے شبینوں میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اتنی بڑی کتاب دیگر لوازمات سمیت چند گھنٹوں میں کتنی صراحت و صفائی کے ساتھ سنا دی جاتی ہے۔

کسی کا شعر ہے ؎

کنت کنت کتمت السر کما کا کنت ولکن ذالک لم یکن

"میں راز چھپاتا رہا جیسے ہم سب کی عادت رہی ہے مگر یہ نہ ہو سکا اس میں تکرار اور بے لذت ہو گئی ــــــ"

مگر قرآن کے حروف والفاظ کی تکرارِ مسلسل اس خوبی سے عمل میں آتی ہے کہ زبان کو ذرا لغزش نہیں ہوتی اور طبیعت پر گراں گزرنے کے بجائے الٹا طبیعت کو لطف عطا کرتی ہے۔

- قل اللّٰہم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔
- جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا
- تولج اللیل فی النہار وتولج النہار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر حساب۔
- کلا سوف تعلمون، ثم کلا سوف تعلمون، کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ثم لترونہا عین الیقین
  فحاسبناہا حساباً شدیداً وعذبناہا عذاباً نکرا،
- اذا زلزلت الارض زلزالہا . . . . .

غرضیکہ کہاں تک مثالیں پیش کی جائیں۔

مولانا برکات احمد خان
مدرس شنگل آنبیلہ ہائی سکول، ساہیوال

جذبۂ تشکر و سیلِ خیال

(مولوی برکات احمد خان ریاست ٹونک (راجپوتانہ) کے رہنے والے اور قدیم اسلامی نظام تعلیم کے تربیت یافتہ ہیں ــــ برصغیر میں تعلیمات اسلامی کے جو مختلف خانوادے اور مکاتب فکر پیدا ہوئے۔ ان میں سے مولانا فضل حق خیر آبادی کے علمی خانوادے کو خصوصی امتیاز علوم عقلیہ یعنی منطق، فلسفہ اور علم کلام (خصوصاً فلسفہ وجود) سے ایک خصوصی شغف و اشتغال تھا۔ جو بالآخر علمی راہ سے تصوف کی منزل تک لے جاتا تھا۔ حکیم برکات احمد ٹونکی کو اس سلسلہ علمی میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ مولانا برکات احمد خان کا نام ان کے والدین نے حکیم صاحب کے نام ہی پر رکھا۔ انہوں نے ہی انہیں بسم اللہ پڑھائی۔ اور ان ہی کے قائم کردہ مدرسے سے انہوں نے فراغت حاصل کی۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان آئے تو اندازہ ہوا کہ علم کی جو متاع بے بہا ان کے پاس ہے اس کا گاہک یہاں کوئی نہیں۔ چنانچہ مجبوراً ایک ہائی سکول میں اردو و فارسی کی مدرسی کا بھاڑ جھونکنا شروع کر دیا ــــ راقم الحروف جب تک ساہیوال مقیم رہا مولانا کے ساتھ گہرے مراسم رہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا کہ علم کی پیاس کی شدت اور دم شناس بالاتفاق ایں وقت کے خیال کے احساس سے ان کی آنکھیں چھلک پڑتیں اور کسی مشغلہ علمی کی جو حسرت ان کے سینے میں پنہاں تھی وہ ٹھنڈے سانسوں کی صورت میں ظاہر ہوتی۔ راقم کے پاس آن کا بہت اٹھنا بیٹھنا تھا اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ "آپ کا دم غنیمت ہے کہ یہاں آکر کچھ علمی گفتگو سے اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہوں! ــــ!!"

تدبر قرآن، جلد اول شائع ہوئی تو راقم کے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب نے اس کے کچھ نسخے بعض احباب کو ہدیہ کیے اور ان میں سے ایک مولانا برکات احمد صاحب کو بھی بھیجا ــــ اس سے جذبات کو جو تحریک ہوئی تو جذبۂ تشکر بصورت اشعار زبان پر رواں ہو گیا۔ جس کا رخ اولاً فطری طور پر بھائی جان کی طرف رہا۔ چنانچہ اردو

ﻟﮯ اس خانوادہ علمی کی آخری نامور شخصیت مولانا معین الدین اجمیری تھے اور پاکستان میں اس کا آخری نشان ان کے شاگرد رشید مولانا منتخب الحق صاحب، ڈین فیکلٹی آف اسلامیات، جامعہ کراچی ہیں۔ جن سے تلمذ کی ایک ادنیٰ نسبت راقم کو بھی حاصل ہے۔

ﮯ اور یہ ان ہی پر کیا منحصر ہے! خود مولانا منتخب الحق کا اپنا تمام وقت اپنے شعبے کے اہتمام و انصرام کا بھاڑ جھونکنے میں گزرتا ہے ــــ رہی ان کی اولاد تو وہ بھی زمانے کے چلن کے مطابق خالص جدید تعلیم کے حصول میں منہمک ہے۔ اس طرح گویا کم از کم پاکستان کی حد تک تو اس سلسلہ علمی کا خاتمہ نگاہوں کے سامنے ہے۔ ! !

فارسی اور عربی میں ان کے شکریے پر مشتمل اشعار موزوں ہو گئے پھر خیال آیا کہ اس ہدیہ کا اصل سبب تو اسرار ہے اس اعتبار سے بھی کہ کتاب شائع اس نے کی اور اس اعتبار سے بھی کہ ان کے اصل مراسم در اصل راقم کے ساتھ ہی ہیں ــ بھائی جان سے ان کا تعلق زیادہ تر راقم کے واسطے ہی سے ہے۔ چنانچہ چند اشعار خاکسار کے شکریے کے لئے بھی موزوں ہو گئے ــ اس کے بعد اظہار اور اسرار کے الفاظ کی مناسبت سے ذہن ظاہر و باطن کے ظاہری فرق اور باطنی عینیت[1] کے جانب متوجہ ہوا اور خیالات کا ایک سیل رواں فارسی اشعار کی صورت میں جاری ہو گیا ــ جس میں بعض دقیق صوفیانہ مضامین بھی نظم ہو گئے ــــ !!

ذیل میں ہم مولانا کے وہ اشعار جو انہوں نے بھائی جان کے شکریے کے لئے کہے من و عن "جذبۂ تشکر" کے عنوان سے درج کر رہے ہیں تا کہ حق بحق دار رسید! ــ خاکسار کے لئے جو کچھ انہوں نے کہا وہ حذف کیا جا رہا ہے۔ صرف ایک شعر کہ جس سے "سیل خیال" کا ربط واضح ہوتا ہے ــــ رہا خود "سیل خیال" تو اس کی اشاعت کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیں اس سے بالکلیہ اتفاق ہے۔ اس کی اشاعت زیادہ تر اس لئے کی جا رہی ہے کہ قارئین "میثاق" کے سامنے قدیم اسلامی تعلیم کا ایک نمونہ آ جائے ــ واضح رہے کہ مولانا سے تقریباً ۱۵ سالہ روابط کے باوجود ابھی راقم کو قطعاً معلوم نہ تھا کہ وہ شاعر بھی ہیں۔ بلکہ خود مولانا نے بعد میں بتایا کہ انہوں نے کبھی شعر نہیں کہے۔ بس تدبر قرآن کا ہدیہ پا کر جذبات میں ایک تحریک پیدا ہوئی ــ قلب پر وجد طاری ہوا اور زبان پر اشعار جاری ہو گئے! مولانا اصلاحی نے ایک مرتبہ بہت خوب فرمایا تھا کہ "شاعر صرف شعر گو ہی نہیں ہوتا، شعر کا ذوق رکھنے والا ہر شخص بالقوہ شاعر ہے۔ اگرچہ اس لفظ کا اطلاق بالعموم صرف شاعر ناطق پر کیا جاتا ہے۔" گویا احساسات لطیف اور جذبات عالیہ رکھنے والا کوئی بھی شخص کسی بھی مرحلے پر 'شاعر ناطق' بن سکتا ہے ــ بالکل ایسے جیسے جسم انسانی کے 'اعضائے نطق' اگرچہ بظاہر چند ہیں۔ لیکن درحقیقت اس کے تمام اعضاء ہی بالقوہ ناطق ہیں اور قیامت میں یہ سب کے سب بالفعل ناطق بن جائیں گے اور کہیں گے کہ "اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ"[2] (سورۂ حم السجدہ)

جذبۂ تشکر

تحفۂ لطف و عنایات آیا — نسخۂ رشد و ہدایات آیا
بھائی اظہار نے بھیجی تفسیر — بادۂ جود و مواخات آیا
یہ کلید در عرفان جو ملی — ہاتھ گنجینۂ آیات آیا

[1] ھو الاول والآخر والظاھر والباطن ــ الآیۃ : سورۃ حدید۔ وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے آخر اور سب سے ظاہر اور سب سے مخفی!

[2] سورۂ حم سجدہ آیت ۲۱: ہمیں بھی اسی اللہ نے گویائی دی جس نے سب کو گویائی عطا فرمائی!

یوں رہے یاد الٰہی ان کو — جیسے اب یاد یہ برکات آیا

★

بہر اظہار خلوص از بر اظہار احمدؒ — تحفۂ تذکرہ آمد پئے برکات احمدؐ
تذکرہ چیست ؟ بیان داعی میثاق ازل — خواندنش بہر ہمہ باعث خیرات آمد
ایں چنیں لطف و کرم باد الٰہی بہ زیاد — کز من دور افتادہ بہ شما یاد آید

هبت نسيم مودة من روضة المختار — نفرت شميم محبة من نضرة الأزهار
اظهار احمد قوشی اهدى الى صحيفة — تفسير تنزيل الهدى لتدبر الأسرار
شكرا لفضل عطائك ادعوا الاله بقائك — والخير في اعمالك من معطي المختار
انصر اخانا ربنا وانظر اليه برحمة — وامطر عليه وابلا من سحابة الانوار
رب المكارم والعطا اكرم عليه واله — واجعله في رفقائهم كالنخل في الاثمار

★

ظاہر اظہار ہوئے مورد وہیں اسرار
شکریہ دونوں کا لازم بحقیقت آیا !!

سیل خیال

آں یکے ظاہر شدہ اظہار گشت — واں دگر مخفی شدہ اسرار گشت
ذات واحد در نمائش آمدہ — ظاہر و باطن صفاتش آمدہ
ہمچنیں ما ظاہریم و باطنیم !! — کز بجا واحد بدنیا آمدیم !
در وجود ما صفات خود نہفت — بارک اللہ احسن تقویم گفت
باطن خود را چو دیدہ در نہفت — شیخ جیلانیؒ اعظم شانی گفت
گفت پیغمبرؐ ازیں مالا ترون ! — کانزاں عمی فہم لا یرجعون
چوبدستے داشت موسیٰؑ برملا — گاہ بودہ اژدہا گاہے عصا !

[1] واضح رہے کہ والد مرحوم و مغفور کا نام مختار احمد تھا

ہست حاضر ظاہر و اسرار غیب — پیش یک بیں امتیاز ہر دو عیب
یک دو بینی عیب چشم احوال است — اے برادر پیش من ہر دو یک است
ہر کہ یک بیند ہمہ جا خوشتر است — اے خوشا مردے کہ یک بیں یک دل است
مرد یک بیں باش و یکدل اے اخی — تا بخلوتگاہ جانانہ رسی
چونکہ بہر عام ظاہر نیست غیب — جزو ایماں آمدہ ایمان غیب
بہر خاصاں نیست ایں غیب و حضور — ہر یکے غیب است و ہر دیگر حضور
بیند ابراہیمؑ کل ملکوت را ! — مصطفیٰ بیند خدا را برملا ! !
غائب ما پیش ایشاں حاضر است — غائب شاں پیش یزداں حاضر است
ایں تفاوتہا ہمہ از نسبت است — ہم چو آب و آتش و بالا و پست
بہر دہقاں آب باشد رحمتے ! — بہر سکیناں بود آں نقمتے ! !
گرچہ پیش آندیاں نار بود ! — پیش ابراہیمؑ آں گلزار بود !
گر بہ سقف خود روی بالا بود — ور بہ بالاتر رسی پائیں بود !
ہمچنیں غیب و حضور است اے اخی — با تو گویم رمز ایں سر و خفی !
علم باشد منشاء ہر انکشاف — علم آمد باعث ایں اختلاف
علم دو نوع است بشنو محترم — در حصولی و حضوری منقسم ! !
غیر معلوم است عالم در حصول — بے وسائل نیست ممکن ایں حصول
واسطہ یا اندریں باشد بسے ! — تا بہ چیزے می رسد علم کسے ! !
در حصولی خود نہ بینی چیز ہا ! — غیر نماید ترا ایں چیز ہا ! ! !
ایں وسائل نیست در علم حضور — چیز ہا را فاش بینی در حضور
دیدن ما غیر را علم الحصول ! — دیدن ما خویش را علم الحضور
حاصل آید از یکے علم الیقین — وز دگر پیدا شود حق الیقین !
عارفاں را خویشتن دیدن خوش است — جاہلاں را دیدن خود نخوت است
فکر آفاقی برائے عام گفت ! ! — فکر نفسی را برائے خاص گفت !
گفت شیطاں از حصولی برترم — گفت آدمؑ از حضوری عاصیم
از حصولی فتنہا خیزد بسے — در حضوری ہست خیر ہر کسے !
اے برادر کوشش در علم حضور — تاکہ باشی در یقین و در سرور
در دو فور شوق گفتم ایں کلام — من ندایم معذورم باشم والسلام

اسرار احمد ایم اے (فلسفہ)
جامعہ ریڈنگ، انگلینڈ

بریدِ فرنگ

۲۶ فروری ۶۸ء

" جنوری کے شمارے کے لفافے پر طبع شدہ "میثاق" کے مقاصد میں سے " دعوتِ تجدیدِ عہدِ الست " کے الفاظ سے عجیب تنبیہ ہوئی۔ اسلام کی جدید اصطلاحات میں تشریحات و تنقیحات جہاں بہت سے فوائد کی حامل ہیں وہاں وہ اس قسم کی بہت سی چیزوں سے صرفِ نظر کا باعث بھی ہوئی ہیں حالانکہ وہ ہمارے بنیادی عقائد کا لازمی جزو ہیں "

---

۵ مارچ ۶۸ء

" آپ نے تعلیم کے ضمن میں تفصیل سے پوچھا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ان چار ماہ میں موجودہ فلسفۂ اخلاق کا ایک ہلکا سا خاکہ ذہن میں بنا ہے۔ رسالی بحثوں سے قطع نظر ان تمام مباحث میں جو سپرٹ کار فرما ہے وہ دراصل انگلستان میں، جان سٹوارٹ مل کا فلسفہ Liberalism یعنی Utilitarianism ہے۔ انہی دو بنیادی عناصر کو مختلف پیرایوں میں پیش کیا گیا ہے۔

اب میں دوسرے استادوں کی طرف رجوع کروں گا۔ ارسطو، سینٹ ٹامس اکیناس[1] اور کانٹ[2] اور ان کے ساتھ ساتھ دوسرے Idealists کو پڑھنے کی بھی کوشش کروں گا ـــــ اس بارے میں انشاء اللہ جلد ہی زیادہ تفصیل سے لکھوں گا۔

عید الضحیٰ غالباً ۱۰ مارچ کو ہے۔ اگر یہ خط ایام قربانی میں مل جائے تو میری طرف سے بھی قربانی کر دیجئے گا۔ "

---

۱۱ مارچ ۶۸ء

" اس وقت برٹش ریلوے کے سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں بیٹھا ہوں۔ ٹرین ستر اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے۔ دوسرے لوگوں کو پڑھتے یا لکھتے دیکھ کر میں نے بھی سوچا کہ میں اس وقت سے فائدہ اٹھاؤں اور آپ کو خط تحریر کر دوں ـ میں حسب پروگرام ۹ کی صبح کو ریڈنگ سے Halifax کے لئے روانہ

---

[1] ٹامس اکیناس (۱۲۷۴ء) یہ وہ احسان فراموش شخص ہے جس نے اپنی تمام تصانیف میں ابن رشد کے افکار سے استفادہ کیا بلکہ اس کے بیشتر حصے اپنا کر سمجھایا لیکن اس نے کبھی اس کا اعتراف نہ کیا۔ [2] کانٹ (۱۸۰۴ء) یورپ میں عظمت کے اعتبار سے ارسطو کے بعد دوسرا فلسفی (ابو یوسف سلیم چشتی)

ہوا۔ ٹرین میں معلوم ہوا کہ لندن اسلامک سنٹر میں عیدالضحیٰ کی نماز اسی روز ہو رہی ہے۔ (ریڈنگ میں نماز ہو کر وا ہونا تھی) چنانچہ میں لندن پہنچ کر پارک روڈ پر واقع اسلامک سنٹر گیا یہ میری سنٹر کی پہلی **زیارت** تھی۔ نماز عید ۱۲ بجے ادا ہوئی۔ قاری عبدالباسط صاحب کی تلاوت کے ریکارڈ لاؤڈ سپیکر سے نشر ہو رہے تھے۔ اجتماع بھی بڑا اچھا رہا۔ یہاں پر بہت سے احباب سے بھی ملاقات ہوئی۔

دو بجے کی ٹرین سے مانچسٹر ہوتا ہوا شام سات بجے ہالیفاکس پہنچ گیا۔ ڈاکٹر سید اسلم صاحب کو خط سے اپنی آمد کی اطلاع دے چکا تھا چنانچہ انہیں منتظر پایا (یعنی گھر پر) دو رات ایک دن قیام کے بعد آج صبح ۹ بجے کوچ سے **Leeds** پہنچا اور وہاں سے ۲۵-۱۲ کی ٹرین سے بسمت لندن محو سفر ہوں۔ سوا تین بجے **Kings Cross** لندن پہنچوں گا اور پھر شام تک واپس ریڈنگ پہنچ جاؤں گا۔ ان شاء اللہ"

۱۲ مارچ ۷۸ء

"ہالیفاکس میں سردی شدید تھی زیادہ وقت ہیٹر کے پاس ماضی کے قصے دہراتے گذرا۔ ڈاکٹر صاحب نام لے کر مختلف احباب کا ذکر کرتے تھے اور مجھ سے پوچھتے تھے کہ آجکل پاکستان میں کہاں اور کیا کر رہے ہیں۔ پھر ان ساتھیوں کا تذکرہ رہا جو میاں انگلستان آئے اور ذہنی انقلاب کا شکار ہو گئے۔ دو ایک نام مجھے بھی یاد رہ گئے جیسے .. میاں ... یا ... صدیقی صاحب وغیرہ وغیرہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے جسم و جان اور دین و ایمان کا محافظ و نگہبان ہو۔ آمین "

ہم سے طلب فرمایئے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

دعوت دین اور اسکا طریق کار
صفحات ۳۱۲، قیمت ۷۵/۳ روپے

تزکیۂ نفس
صفحات ۳۴۴، قیمت -/۶ روپے

اسلامی قانون کی تدوین
صفحات: ۱۹۰، قیمت ۳ روپے
سستا ایڈیشن ۲ روپے

عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ
صفحات ۱۲۸
قیمت: ۷۵/۲ روپے

دارالاشاعت الاسلامیہ
امرت روڈ کرشن نگر لاہور ۱۲ (فون ۴۹۵۲۲)

حافظ نثار احمد انصاری
لیکچرر گورنمنٹ کالج، ملتان

تعارف "جامعہ ربانیہ ملتان"

اسلام میں علم کی اہمیت مسلمہ ہے۔ علم کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی اور وہ مسجود ملائک بنے۔ سب سے پہلی وحی میں علم کی اہمیت بالخصوص قلم کے ذریعہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ علم کو انتہائی وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور اہل علم کی اس قدر قدر و منزلت کی گئی ہے کہ تمام دنیا اسکا جواب پیش کرنے سے قاصر رہی ہے۔ لیکن ہمارے علمی اداروں کا طغرائے امتیاز ماضی میں جامع تعلیم کے ساتھ مثالی تربیت رہا ہے۔ اس نظام تعلیم کی بدولت ہمارے اداروں سے بڑے بڑے شیوخ۔ مدبر۔ مورخ۔ ہیئت دان ماہرین ریاضی۔ فقیہ۔ محدث اور حکیم و متکلم پیدا ہوئے ہیں جن میں سے امام ابن تیمیہ۔ علامہ ابن قیم۔ امام ابوحنیفہ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ امام غزالی۔ علامہ سیوطی۔ امام شاہ ولی اللہ۔ البیرونی۔ ابن رشد ابن طفیل۔ بو علی سینا۔ فخرالدین رازی غرضیکہ ہر شعبہ زندگی میں علم و عمل کے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے۔ اور قریباً بارہ سو سال تک اس نظام تعلیم کی بدولت یکتائے روزگار لوگ دنیا کے سامنے آتے رہے۔

لیکن جب زمانے نے ایک نیا ورق الٹا۔ اور فرنگی کا منحوس سایہ عالم اسلام پر پڑا۔ اور رفتہ رفتہ پورا عالم اسلام اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ تو ہمارا یہ نظام تعلیم بھی ہم سے چھین لیا گیا۔ انگریز نے میکالے سکیم کے تحت تعلیمی اداروں سے ایسے لوگ پیدا کیے جو رنگ اور خون کے لحاظ سے تو ضرور اپنے اپنے ملکوں کے لوگ تھے۔ لیکن ذہنیت۔ انداز فکر۔ چال ڈھال اور بود و باش کے اعتبار سے پورے پورے فرنگی تھے۔ اکبر مرحوم نے سچ فرمایا

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

علمائے امت نے ان حالات میں بھی اپنی کوششوں کو جاری رکھا اور اس بات کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی کہ دنیا ہاتھ سے جاتی ہے تو جائے۔ دین تو بچ جائے۔ لہٰذا انہوں نے خالص دینی ادارے جاری فرمائے۔ لیکن حالات کی ناسازگاری کے باعث ان اداروں میں معاشی پہلو اور علوم جدیدہ کو ساتھ نہ چلایا جا سکا۔ امید تھی۔ کہ انگریز کی سیاسی غلامی کے خاتمے کے بعد یہ صورت حال ختم ہو جائیگی لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب حالت یہ ہے کہ دیندار لوگ جن بچوں کو ابتدا میں دینی ماحول میں رکھکر کچھ دینی تعلیم دے کر انہیں ہائی سکولوں

اور کالجوں میں بھیجتے ہیں۔ وہ وہاں کی دین کش فضاؤں میں جاکر پکے بے دین اور بعض حالات میں تو ملحد تک بن جاتے ہیں۔ جدید علوم اور معاشی تعلیم حاصل کرنا بھی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ لیکن اگر دین اس کی قربان گاہ پر چڑھ جائے تو یہ بڑے ہی خسارے کا سودا ہے۔ علامہ اقبال نے بالکل صحیح فرمایا ہے

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

لہٰذا ایسے اداروں کا قیام جن میں دینی فضا اور دینی تربیت کے ساتھ دینی علوم اور علوم جدیدہ کی تعلیم بیک وقت دی جائے اس دور کا شدید تقاضہ ہے۔ اور تمام سمجھدار اور دیندار لوگ اسکی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ عہد حاضر کے ایسے اہل بصیرت حضرات جنکو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت دین و دنیا کی فہم عطا فرمائی ہے۔ ایسے اداروں کے قیام کو وقت کی بہت ہی بڑی ضرورت اور انتہائی خدمت قرار دیتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس قسم کا ایک جامع ادارہ جس میں پوری پوری دینی تربیت کا انتظام ہے۔ اور ایسے اساتذہ کا تقرر کیا گیا ہے جو دینی علوم پر عبور کے ساتھ اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہیں، ملتان میں جامعہ ربانیہ کے نام سے قائم کر دیا گیا ہے اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کے مبارک ہاتھوں سے اسکا افتتاح ہو چکا ہے۔ بجز لطف کی بات یہ ہے کہ اس ادارہ میں پانچ سال کی مدت میں نہ صرف طلبہ کو میٹرک کیلئے تیار کیا جائے گا بلکہ ساتھ ساتھ عربی صرف و نحو۔ قرآن پاک کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف کے ضروری حصے۔ فقہ اور اصول فقہ کی بنیادی تعلیم۔ تاریخ اسلامی۔ عربی زبان کی متوسط استعداد اور عربی بول چال کی قابلیت بھی پیدا کیجائے گی۔ ادارہ ہذا اقامتی ادارہ ہے۔ جہاں نماز۔ تلاوت۔ اور پوری پوری اسلامی زندگی کی مشق خالص اسلامی فضا اور علم و تقویٰ کے حامل اساتذہ کی نگرانی میں کرائی جائیگی۔

اللہ کا نام لیکر کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ گو ابھی حالات کی ناساعدت سد راہ ہے۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے مستقبل کی کامیابیاں ابھی سے اپنی چہرہ نمائی کر رہی ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کی دعائیں بشمول اور عملی تعاون قدم قدم پر حاصل ہو رہا ہے۔ لہٰذا اب اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ حساس اور دیندار لوگ جلد از جلد ادارہ ہذا میں اپنے بچوں کو بھیجکر وقت کی ایک شدید ضرورت کو پورا کریں۔ انشاء اللہ العزیز ادارہ ہذا مستقبل قریب میں اس قسم کے دیگر اداروں کیلئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ اپریل ۶۸ء سے جماعت ششم جاری کی گئی تھی۔ الحمدللہ کہ اس جماعت کے طلباء نے دینی اور دنیوی ہر دو تعلیمات پڑھنے کی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ نیز بہترین اسلامی تربیت حاصل کی ہے۔ ادارہ ہذا اقامتی ادارہ ہے اور اس میں دینی تربیت کا خصوصی اہتمام ہے۔ دوران سال حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی پروفیسر جامعہ عباسیہ بہاولپور نے معائنہ فرمایا اور انتہائی اطمینان رائے کا اظہار فرمایا۔ دینی شعبے کا معائنہ حضرت مولانا محمد شریف صاحب کاشمیری صدر مدرس مدرسہ خیر المدارس ملتان نے فرمایا۔ اور بچوں کی دینی معلومات کو بہت سراہا ہے! ملت کے دینی درد رکھنے والے اور اپنی اگلی نسل کو جامع تعلیم اور دینی تربیت سے آراستہ کرنے کے خواہشمند حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو فوراً ادارہ ہذا میں داخل فرما کر خدمت کا موقعہ عنایت فرمائیں۔ اپریل ۶۹ء سے چھٹی جماعت کا داخلہ شروع ہو جائیگا۔

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبّرِ قرآن

جلد اول

مشتمل بر

مقدمہ و تفاسیر آیۂ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۰×۲۶/۸، صفحات ۸۸۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

(محصولڈاک: ایک روپیہ پچھتر پیسے)

(اکتیس روپے پچھتر پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

(نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں)

اس کے علاوہ

تفسیر آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ

علیحدہ مطبوعہ بھی موجود ہے
نمونہ کے طور پر طلب کرنے کے لئے صرف پچاس پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

بڑا سائز۔ صفحات ۳۶۔ ہدیہ ۷۵ پیسے

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور نمبر ۱ فون نمبر 69522

طابع: محمد طفیل مالک نقوش پریس اردو بازار لاہور — پبلشر: محی الدین